ابتدا تیرے نام سے

قارئین کرام! اللہ کرے آپ سب اپنے متعلقین سمیت بخیر و عافیت ہوں۔ نئے سال کے آغاز ہی میں ہمیں تین نئے دھماکوں کا شکار ہونا پڑا ہے۔ عرصہ دس برس سے ہماری تاریخ دھماکوں کے اعتبار سے ہی مرتب ہو رہی ہے۔ قومی زندگی میں ہم ایسا بدنصیب موڑ مڑ گئے ہیں کہ اب بم دھماکے، جانی نقصان، بدامنی اور خوف ہمارے روز و شب کا عنوان بن گئے ہیں۔ اردو بازار لاہور، ملیر کراچی اور اب کوہاٹ روڈ پشاور میں ہونے والے یہ نئے دھماکے بھی ہمیشہ کی طرح تحقیقاتی سطح پر داخل دفتر ہو جائیں گے اور قومی شواہد کے باوجود کبھی اصل مجرموں پر فرد جرم عائد نہیں ہوگی کیونکہ عوام کی بجائے اپنے دشمنوں کو تحفظ دینا ہی ہماری پالیسی معلوم ہوتی ہے۔

لاہور میں ایک امریکی ریمنڈ ڈیوس کے ہاتھوں دو نوجوانوں کا قتل اور پھر امریکی گاڑی کے نیچے آ کر تیسرے نوجوان کی ہلاکت ایک ایسا واقعہ ہے جس نے پاکستانیوں کے دلوں میں بھری ہوئی امریکہ کے خلاف نفرت کو بھرپور ہوا دے دی ہے۔ عوامی جذبات بے حد مشتعل ہیں اور اگرچہ بنتا نہیں، مگر اس کا تقابل ڈاکٹر عافیہ کی سزا سے کیا جا رہا ہے۔ یہ شخص جو امریکی سفارتخانے کے متضاد بیانات میں سفارتی اہلکار بتایا جا رہا ہے، دفاعی ماہرین کے مطابق ریکروٹنگ پر مامور امریکی خفیہ ایجنسی کا انڈر کور ایجنٹ تھا جس نے نوجوانوں کو قتل کر کے دراصل معلومات کا ماخذ ختم کیا ہے اور اب اس بات کا قوی امکان موجود ہے کہ اس کو دورانِ حراست کسی بہانے سے ختم کروا دیا جائے گا۔ اپنے سیاہ کرتوتوں کو چھپانے کے لئے ایسا کرنا امریکہ کے لئے کوئی نئی بات نہیں۔ دوسری طرف یہ مسئلہ عوام کے نزدیک اب ملک کی خود مختاری کا مسئلہ بن گیا ہے۔ یہ ضروری ہے کہ اس معاملے میں ملکی قانون کے مطابق عدالتی انصاف کے تقاضے پورے کئے جائیں اور اس امریکی کی اصلیت کو عوام کے سامنے لایا جائے تاکہ ملک میں جاری دہشت گردی میں امریکی ایجنسیوں کے غنڈوں کا کردار کھل کر سامنے آئے جو ملک بھر خصوصاً اسلام آباد میں دندناتے پھر رہے ہیں۔ اسلام اور جہاد کے لبادے میں مسلمان ہیں یا خود امریکی اور بھارتی، یہ حقیقت اب دنیا کی نظروں سے زیادہ دیر تک پوشیدہ نہیں رہے گی۔ یہ تحقیقات منظر عام پر آئیں گی تو ہمارے اپنے لوگوں میں بھی یہ شعور بیدار ہوگا کہ انہیں امریکی ایجنسیوں کے ہاتھ میں کھیلنے اور ان کے مقاصد کے لئے استعمال ہونے سے بچنا ہے۔

وفاقی حکومت کی قائم کردہ مشترکہ تحقیقاتی ٹیم نے کراچی میں قتل و غارت کرنے والوں کے ناموں کا انکشاف کیا ہے جس کے مطابق قاتلوں کی اکثریت کا تعلق کراچی کی ایک مخصوص لسانی تنظیم سے ہے۔ دکھ کی بات یہ ہے کہ کراچی کا امن و امان تباہ کرنے والوں اور ہزاروں معصوم لوگوں کی جانیں لینے والے مجرموں کا علم ہو جانے بلکہ گرفتار کیے جانے کے باوجود انہیں قانون کی گرفت میں لانے کا کوئی امکان نظر نہیں آتا، کیونکہ حکومت اپنے کمزور وجود کے لئے اپنی لسانی قوتوں کے ساتھ مفاہمت پر انحصار کر رہی ہے ماضی قریب میں بھی سیاسی دباؤ کی بنا پر متعدد ٹارگٹ کلرز کو گرفتار کرنے کے بعد رہا کر دیا گیا تھا۔

متعدد وزراء کے بیانات' کے مطابق حکومت قانون توہینِ رسالت میں ترمیم کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتی۔ یہ بات یقیناً خوش آئند ہے۔ دیر آید درست آید۔ مگر افسوس کا پہلو یہ ہے کہ حکومت کو یہ بات اپنی ایک اہم شخصیت کو گنوا کر سمجھ آئی۔ اگر عوامی جذبات کا یہی

اندازہ پہلے کرلیا جاتا اور گورنر سلمان تاثیر صاحب اس بارے میں اپنے خیالات کے اظہار اور عملی اقدامات میں لا پروائی نہ برتتے تو انہیں اپنی جان سے ہاتھ نہ دھونے پڑتے ، یہ چھوٹے پیمانے پر ہماری حکومت کی مجموعی پالیسی کی بہترین مثال ہے ۔ہم نے عوامی امنگوں کے برخلاف امریکہ کے دست و بازو بن کر اپنے ہی ملک کو دہشت گردی کا شکار کرلیا ہے۔امریکہ اور دیگر یورپی اقوام کا طرز عمل بھی اسی تناظر میں دیکھا جائے تو بہت سے مسائل کی وجوہات نظر آ جاتی ہیں ۔ ایک طرف مسلمانوں پر دہشت گردی کا لیبل لگانا اور دوسری طرف انسانی حقوق بالائے طاق رکھتے ہوئے ان کے نازک ترین مذہبی جذبات کو مجروح کرنا شدید ردعمل پیدا کرنے کا باعث بن رہا ہے۔ساری دنیا امریکہ اور اس کے حواریوں کو یہ مشورہ دے چکی ہے کہ وہ دہشت گردی کی وجوہات کو اپنی پالیسیوں میں تلاش کرے۔

5۔فروری یومِ کشمیر اس بار اس حال میں منایا جارہا ہے کہ وادی میں محصور مسلمانوں کی اذیتوں میں کوئی کمی نہیں آئی پتھروں کے جواب میں گولیاں بدستور ان کا مقدر بن رہی ہیں۔ بھارت کے غاصبانہ قبضے اور وحشیانہ ظلم کے ستائے ہوئے کشمیری مسلمان آج بھی شہادتوں اور قربانیوں کی بے مثال داستانیں رقم کررہے ہیں اور ہم سمیت دنیا بھر کی مسلم حکومتیں خاموش تماشائی بنی ہوئی ہیں۔کوئی طاقت، کوئی دباؤ ایسا نہیں جو کشمیریوں کو ان کا جائز حق خودارادیت دلوا سکے اور وہ اپنی قسمت کا فیصلہ خود کرسکیں ۔البتہ عوامی جذبات کی سطح پر یومِ کشمیر اس بات کا واضح اعلان ہے کہ پاکستانیوں کے دل اہل کشمیر کے ساتھ دھڑکتے ہیں اور وہ انہیں اپنے وجود کا ایک ایسا ناگزیر حصہ سمجھتے ہیں جس کے بغیر پاکستان نامکمل ہے۔

یہ سطور میں دریائے ہنگول کے کنارے بیٹھ کر لکھ رہی ہوں ۔کراچی سے گوادر کی طرف کولتار کی سڑک سے ہٹ کر بیس پچیس کلومیٹر دشت کے اندر، دلدلوں، ریتلے میدانوں ،ٹیلوں اور جنگلوں سے گزر کر .....اس بیابان میں بس سرپھروں کا ایک قافلہ ہے بسیرا کئے ہوئے..... اور فطرت ہے چاروں طرف حد نگاہ تک بے حجاب..... ہمارے خوبصورت صوبہ بلوچستان کے ساحلی علاقے کے قریب بہتے اس دریا کی پٹی کے وسیع علاقے کو ہنگول نیشنل پارک کہا جاتا ہے جہاں ہزاروں میل پھیلی ہوئی وادیاں ہیں اور جنگلی حیات ہے۔ ہمارے سب سے بڑے صوبے کا لاکھوں مربع کلومیٹر رقبہ بے آباد اور ویران پڑا ہے۔زرخیز مٹی کے باوجود پانی کی کمی کاشت کاری میں آڑے آتی ہے۔اس دریا پر بند باندھ کر بہت سے ترقیاتی کام شروع ہوسکتے ہیں۔معدنی وسائل سے بھرے ہوئے بھربھری مٹی کے پہاڑ اپنے خزانے اگلنے کے منتظر ہیں یہ علاقہ بھی پاکستان کے ان بہت سے علاقوں میں سے ہے جہاں اچھی منصوبہ بندی کے ساتھ سیاحت کا فروغ ملکی زرمبادلہ کا اچھا ذریعہ بن سکتا ہے۔ یہاں کے عوام سادہ اور انتہائی غریب ہیں جنہیں قدرتی وسائل کے اعتبار سے اتنے اہم صوبے کے باسی ہونے کے باوجود اپنی حالت بدلنے کی کوئی امید نہیں ہے کیونکہ یہ ترقیاتی اعتبار سے سب سے پسماندہ اور نظرانداز کیا گیا صوبہ ہے ۔ انتہائی اہم جغرافیہ کے حامل اور خزانوں سے بھرے ہوئے اس علاقے پر دنیا بھر کی نظریں ہیں ۔مگر ہم اپنا سونا مٹی کرنے پر تلے ہوئے ہیں ۔ روس اور چین کے لئے یہ علاقہ بحیرہ عرب کے گرم پانیوں اور پھر خلیج فارس تک رسائی کا ذریعہ ہے۔امریکہ اور بھارت کو افغانستان تجارت کے لئے آسان راستے اور ایرانی تیل کے سرچشموں تک رسائی کا لالچ ہے۔

اس صورتحال میں البتہ یہ بات بے حد خوشی کا باعث ہے کہ ریکوڈک سے سونا نکالنے کے غیرملکی پراجیکٹ کو سپریم کورٹ نے رکوا دیا ہے اور اس کیس کی سماعت جاری ہے ۔ بلوچستان کے حالات درست کرنے کے لئے ایک طرف اہل بلوچستان کی محرومیوں کا ازالہ بے حد ضروری ہے، دوسری طرف ان محرومیوں کی بنیاد پر بلیک میل کرنے والے سازشی عناصر کی بیخ کنی بھی لازم ہے۔

پہلے تیونس اور اب مصر میں عوام امریکی پٹھو حکومتوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے ہیں ۔اللہ کرے پاکستان میں بھی عوامی شعور مجموعی تبدیلی کی سطح پر پہنچے اور پاکستان کی سالمیت، خودمختاری اور امن وامان کے لئے عوام خود کمربستہ ہوجائیں۔آمین

دعاگو

صائمہ اسما

عاصمہ غنی

اے نبیؐ ان سے کہہ دو اگر تم خدا سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، خدا تم سے محبت کرے گا

محبت، مُحِب اور محبوب

محبت ایک ایسا فطری جذبہ ہے جو زندگی کے کٹھن مراحل اور راستوں پر چلنا آسان بنا تا ہے ۔ضروریات خواہشات اور ذمہ داریوں کی ادائیگی کوحسن خوبی سے انجام دینا اور خیر و اخلاص سے ادا کرنا ممکن بنا تا ہے۔تنگی،سختی اور مشکلات کے احساس کو کم کرتا ہے۔

زمین پر بسنے والے انسانوں کی مادی ضروریات ہی نہیں، اپنے خالق ومعبود کو پہچان کر بندگی اور اطاعت کے سفر کو آسان بھی یہی جذبہ محبت ہی بنا تا ہے ورنہ تو نفس امارہ اور آدمی کے دشمنِ عام شیطان سے بچاؤ کی کٹھن منزل سے گزرنا ممکن نہیں۔

دراصل یہی جذبہ محبت ہے جو قربِ الٰہی کا یقین تازہ رکھ کے احساس غفلت اور سرکشی سے بچا تا ہے۔رسولوں کی لائی گئی تعلیم اور طریقے کی رہنمائی پر یکسوئی پیدا کرتا ہے اور آخرت میں کئے گئے وعدوں اور انعامات، عطا وبخشش کی خاطر دنیا کے فائدوں سے بے غرض بنا تا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ دلوں کے لئے حُبّ الٰہی ، حبِ رسولؐ اوردینِ اسلام سے محبت ہی وہ قوت کامل ہے جو آج کی دنیا میں موجود اور معلوم آزمائشوں سے دائمی قطع نظر کرواتی ہے،''حاضر کو چھوڑ کر غائب'' پر اطمینان اور یقین دیتی ہے آج کی بجائے کل کی کامیابی کیلئے جینا سکھاتی ہے ،نقد کی بجائے ادھار کی خاطر قربانی اور ایثار سکھاتی ہے۔

یہی جذبہ محبت وہ مخلص ، ہمدرد، دلسوز قوت ہے جو خطرات میں دلجوئی کرتا ہے،سوتوں کو جگا تا ہے اور جاگنے والوں کو پائیدار سرگرمیوں کی خاطر چلاتا اور بھگا تا ہے۔بے کار، فضول کمتر مصروفیات اور غموں سے بچا تا اور کارآمد فکروں اور کوششوں میں مددگار اور سہارا بنتا ہے۔

اس جذبہ محبت کی بنیاد علم ہے ۔ایمان کی خاطر اس جذبہ کے حصول کا سب سے مستند اور مضبوط سرچشمہ رسولؐ اوران کا لایا گیا پیغام ہے جو کتاب الٰہی اور سیرت وسنت کی شکل میں ہمارے درمیان موجود ہے۔

جس طرح انسان کی جسمانی اور مادی زندگی کا ذریعہ والدین بنتے ہیں اسی طرح روحانی اور اخلاقی زندگی کی بقا اور ارتقا کا ذریعہ رسول بنتے ہیں۔

مگر یہ محبت اور تعلق جتنا شعوری اور دلی ہوگا اتنے ہی اس کے اثرات عمل، اخلاق، اطاعت اور اتباع میں زیادہ نظر آئیں گے۔

دردلِ مسلم مقامِ مصطفیٰؐ است
آبروئے ما زِ نامِ مصطفیٰؐ است

- اے نبی! ان سے کہہ دو اگر تم خدا سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو خدا تم سے محبت کرے گا۔(آلِ عمران-31)
- بے شک تمہارے لئے رسولؐ کی ذات میں بہترین اسوہ موجود ہے(الاحزاب ۲۱)۔
- جس نے رسولؐ کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی (النساء ۸۵)(الاحزاب)
- اے لوگو جو ایمان لائے ہو رسولؐ پر درود و سلام بھیجو۔

محبت کے لئے اللہ اپنے جس حبیب کو معیار بنا رہا ہے حقیقت یہ ہے کہ ان کا کردار اللہ اور اسکے بندوں کے لئے تعلق میں اتنا ہی

نایاب کردار ہے۔محبت کی شان اعلیٰ کا مطالبہ یہی ہے کہ وَالَّذِينَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ نبیؐ اس کا اعلیٰ معیار اپنی محبت کی شان میں پیش کرتے ہیں۔

اچھا تو اے محمدؐ! شاید تم ان کے پیچھے غم کے مارے جان کھو دینے والے ہو اگر یہ اس تعلیم پر ایمان نہ لائے (الکہف)

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسولؐ اللہ کو فرماتے سنا ''میری اور تم لوگوں کی مثال ایسی ہے کہ جس نے آگ جلائی روشنی کے لئے مگر پروانے ہیں کہ اس پر ٹوٹے پڑتے ہیں جل جانے کے لئے، وہ کوشش کرتا ہے کہ یہ کسی طرح آگ سے بچیں مگر پروانے اس کی ایک نہیں چلنے دیتے۔ایسا ہی حال میرا ہے کہ میں تمہیں دامن پکڑ پکڑ کر کھینچ رہا ہوں اور تم ہو کہ آگ میں گرے پڑتے ہو (بخاری)۔

سورۂ توبہ میں اللہ تعالیٰ اپنے سچے حبیب کی شان یوں بیان کرتے ہیں۔

دیکھو! تم لوگوں کے پاس ایک رسولؐ آیا ہے جو خود تم ہی میں سے ہے، تمہارا نقصان میں پڑنا اس پر شاق ہے، تمہاری فلاح کا وہ حریص ہے، ایمان لانے والوں کے لئے وہ شفیق اور رحیم ہے (۱۲۸)

محبت کا یہ دلنواز کردار ہر کلمہ گو اور محمد الرسولؐ اللہ کہنے والے کے تکمیل ایمان کے لئے ایسے ہی اعلیٰ معیار کا طلبگار ہے اور یہ دلیل محبت مانگتے ہیں کہ مومنوں کے لئے ان کے نبی اپنی جان سے بڑھ کر ہیں۔

تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہوسکتا جب تک میں اسے اس کے باپ اور اولاد سے اور تمام انسانوں سے بڑھ کر محبوب نہ ہو جاؤں (بخاری و مسلم)۔

تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہوسکتا جب تک اس کی خواہش نفس اس طریقے کی تابع نہ ہو جائے جسے میں لے کر آیا (مشکوۃ)

اور وہ لذت ایمان کا معیار ہی یہ دیتے ہیں کہ:

ایمان کا مزہ چکھ لیا اس شخص نے جو اس بات پر راضی ہو کہ اللہ اسکا رب ہے اسلام اسکا دین ہے اور محمدؐ ہی اسکے رسول ہیں (مسلم)

اور جس نے میری اطاعت کی اس نے خدا کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے خدا کی نافرمانی کی (بخاری)۔

نبی ﷺ کے ان مطالبات کی روشنی میں ہم سمجھ سکتے ہیں کہ خواہش پرستی اور دنیا پرستی کے ساتھ کوئی محبت اپنا حق کیسے وصول کرسکتی ہے۔عمل کے بغیر محبت کا دعویٰ خود فریبی اور خدا فریبی ہے۔

حب رسولؐ محض زبانی جمع خرچ کا نام نہیں۔درود و سلام کی ادائیگی محض علامت نہیں وہ تو رسولؐ کی ذات، صفات کی پہچان اور تعلق کا نام ہے۔ان کے لائے گئے پیغام کے بچاؤ، محافظت، دعوت، حمایت، نصرت اور مدد کی طلبگار ہے۔حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت خدیجہؓ نے اس عشق اور محبت کا حق سچے عاشق اور محبّ بن کر ادا کیا تھا۔

لَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ (المائدہ ۵۴)

رسولؐ کی محبت میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے ڈرے بغیر ان کی نصرت و حمایت مطلوب ہے۔آج نبیؐ کی ناموس، عزت، اور حرمت کی پشتیبانی کیلئے سلبی نہیں ایجابی نیکی درکار ہے۔ سنتوں کو جاننے اور ان پر عمل کرنے کے ساتھ دین کو بدعتوں سے بچانے کی ضرورت ہے۔فتنوں سے بچنے اور بچانے کے لئے نبیؐ کے پیغام برحق کو چار سو پھیلانے اور غالب کرنے کی ضرورت ہے۔ انفرادی اور اجتماعی فیصلے اور نظام اس پیغام کے تابع کرنا ضروری ہے۔ہنود و یہود اور نصاریٰ کی محمدؐ سے دشمنی و رقابت اور ایذا رسانی و تضحیک کے ہتھکنڈوں کے توڑ کے لئے ''اتحاد امت'' درکار ہے تاکہ کفر مغلوب اور پیغام محمدؐ سربلند ہو۔رب العالمین اور رحمت للعالمین کا پیغام انسانیت کو امن سلامتی اور انصاف دے۔رب کائنات اس سفر پر چلنے والوں کو امید اور یقین دلاتے ہیں۔

اِنَّا شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ (الکوثر)

بے شک ایک سچے محبّ اور عاشق کا اپنے رسولؐ رحمت سے ایسا رشتہ ہی ہے جس پر مالک اپنے حبیب محمد مصطفیٰؐ کے ساتھ اسکے محبان کو بھی اپنا محبوب بنا لینے کا یقین دلاتا ہے۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (آل عمران ۳۱) ☆☆☆

دعویٰ عشق رسولؐ

۱۲ ربیع الاول حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت با سعادت کا یوم مبارک ہے اور یہی دن ختم المرسلین کی دنیا سے رحلت کا دن بھی ہے۔ ہم اس یوم کو عید میلاد النبیؐ قرار دے کر جوش وخروش کا اظہار کرتے ہیں۔ آپؐ کی روح اقدس پر درود وسلام کے نذرانے بھیجتے ہیں۔ خراجِ عقیدت کے لیے نعت خوانی کی محافل سجاتے ہیں آپؐ کے اسوۂ حسنہ کے مختلف پہلوؤں اور موضوعات پر رات رات بھر جلسوں میں تقاریر ہوتی ہیں۔ آپؐ کے لیے جشن برپا ہوتے ہیں جلوس نکالے جاتے ہیں نعرے لگائے جاتے ہیں۔ آرائشی محرابیں اور جھنڈیاں رنگ ونور کی قوسِ قزح بن کر شاہراہوں، گلیوں، بازاروں میں اتر آتی ہیں۔ عمارات چراغاں سے جگمگا اٹھتی ہیں۔ ایک عجیب رونق اور چہل پہل پورے ماحول پر چھا جاتی ہے۔ بوڑھے بچے جوان دیوانہ وار ان تمام سرگرمیوں میں حصہ لیتے نظر آتے ہیں۔ یہ سب والہانہ انداز وآداب یہ جوش وخروش جیسے پکار پکار کر کہتا ہے کہ آج بھی مسلمان قوم اپنے ہادی اعظمؐ، اپنے رسولؐ سے بے انتہا محبت رکھتی ہے۔ اور جذبہ عقیدت سے سرشار ہے۔ لیکن خدایا یہ کیسی محبت ہے، کیسا عشق ہے، کیسی عقیدت ہے کہ دو چار دن کی گہما گہمی کے بعد عنقا ہو جاتی ہے؟ وہ دھواں دھار تقاریر اور آپؐ کی عقیدت کے سپاسنامے، آپؐ کے ارشادات عالیہ کے مقدس حوالے جلسے جلوسوں کے ساتھ ہی غائب ہو جاتے ہیں۔ ہمارے ان دعوائے محبت کے اشعار کی گونج مہینہ بھر بھی قائم نہیں رہ پاتی۔ سارے جوش اور ولولے سرد پڑ جاتے ہیں۔ عقیدت ومحبت کا تقاضا تو یہ ہے کہ ہم حضورؐ کے اس ارشاد کو ہمیشہ مدنظر رکھیں ''کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک میں اس کے لیے ماں باپ اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔''

دنیا کے ہر رشتے، ہر تعلق سے زیادہ عزیز ہستی اگر کوئی ہو تو اس کی خوشنودی عزیز ترین ہو جاتی ہے۔ اس کے ارشادات دل پر ہی لکھے جاتے ہیں۔

اس کی فرمانبرداری لازم ہو جاتی ہے۔ اس کی رضا کے لیے بڑی سے بڑی قربانی سے گریز نہیں کیا جاتا لیکن یہ کیسا تضاد ہے کہ ہم عشق کے دعویدار بنتے ہیں، نعتیں سن سن کر سر دھنتے ہیں۔ آنسو بہاتے ہیں، وجد میں بھی آجاتے ہیں، حال بھی کھیل جاتے ہیں، مگر آپؐ کے ارشادات پر عمل پیرا نہیں ہوسکتے، آپؐ کے بتائے ہوئے راستے پر نہیں چل سکتے۔ صحیح معنوں میں کبھی آپؐ کے اطاعت گزار نہیں ہوسکتے!

آپؐ جو چلتا پھرتا قرآن کہلائے اس لیے کہ قرآن کے دستور اساسی کو زندگی کے ہر قدم اور ہر موڑ پر اپنا کر قرآن حکیم کے سانچے میں ڈھل گئے جن کے لیے باری تعالیٰ نے قسم قرآن کی کھا کر اعلان کیا کہ تم ہمارے رسولوں میں سے ہو۔ (حالانکہ کسی اور نبی کے لیے قرآن حکیم کی قسم نہیں کھائی گئی) اور سیدھے راستے پر ہو یہ حکمتوں سے بھری ہوئی کتاب تمھیں اس لیے دی گئی ہے کہ تم ان غافل انسانوں کو سیدھی راہ دکھاؤ۔ (سورہ یٰسین)

سورہ صٓ میں فرمایا:

''یہ مبارک کتاب ہے جو ہم نے تمھاری طرف نازل کی ہے تاکہ آپ لوگ اس پر غور کریں، تدبر کریں اور عقل والے سبق ہدایت حاصل کریں۔''

یہ روشن اور مبارک کتاب ہے۔ جسے ہم نے طاقِ نسیاں پر رکھ دیا ہے۔ نہ اس پر غور کرتے ہیں نہ تدبر اور نہ ہدایت حاصل کرتے ہیں اور حب الٰہی اور حب نبیؐ جس کے ہم داعی ہیں محض جلسوں اور جلوسوں

تک محدود ہو کر رہ گیا ہے۔ قدم قدم پر ہمیں اس کی مثالیں نظر آتی ہیں۔

قادر مطلق کا فرمان ہے۔

''جس نے رسولؐ کا حکم مانا اس نے خدا کا حکم مانا۔ (النساء)

کائنات کا فرمانروا فرماتا ہے۔

''اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور آپس میں مت جھگڑو کہ کمزور پڑ جاؤ گے۔'' لیکن ہم من حیث القوم نہ خدا کے فرمانبردار ہیں نہ رسولؐ کے۔ ہم لڑ رہے ہیں۔ گلیوں میں، محلوں میں، گھروں میں، بازاروں میں، مسجدوں میں، درسگاہوں میں۔ اسمبلیوں میں، سینٹ میں، شہروں میں، دیہات میں، جنگلوں میں۔ تعصّبات، نفرتوں اور کدورتوں کی آگ سینوں میں دہک رہی ہے۔ دلوں میں نگاہوں میں غضب کی بجلیاں کوند رہی ہیں۔ کہاں ہے وہ اسلامی اخوت جو رہبر انسانیتؐ کی تعلیمات اور عمل سے وجود میں آئی تھی؟ جتنے آج ہم بکھرے ہوئے ہیں اس سے زیادہ کبھی نہ بکھرے تھے۔ پروردگارِ عالم کا ارشاد ہے۔

''اور جب تو ان لوگوں کو دیکھے جو ہماری آیات کی عیب جوئی کرتے ہیں تو ان سے کنارہ کش ہو جا یہاں تک کہ وہ کسی اور بات میں لگ جائیں اور اگر تجھے شیطان بھلا دے تو یاد آنے کے بعد پھر ایسے ظالموں کے پاس مت بیٹھ۔'' (سورۃ الانعام، آیت ۶۸)

لیکن ہم دنیا کے عارضی اور نام نہاد مفادات کی خاطر اُن کے پاس بیٹھتے ہیں بلکہ اُن کے فرمانبردار غلام بن رہے ہیں۔ ملکی، قومی اور دینی مفادات کو بھلا کر ہر اس طاقت کی بات پر آمنا وصدقنا کہہ رہے ہیں جو ہمیں تھپکی دے کر کھوکھلا کر رہی ہے۔

ہم قومی تشخص اور وقار کو لے ڈوبے ہیں۔ ملکی مفاد کو نظر انداز کر بیٹھے ہیں۔ خدائے علیم وخبیر ہمیں آگاہ فرماتا ہے۔

''اے ایمان والو! یہود ونصاریٰ کو دوست نہ بناؤ۔ یہ ایک دوسرے کے ہی دوست ہیں اور جو شخص تم میں سے انھیں دوست بنائے گا وہ بھی ان میں سے ہی ہوگا۔''

''بے شک خدا ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔'' (سورۃ المائدہ آیت ۵۱)

اس سورۃ میں مزید خبردار کیا گیا ہے۔

''اے ایمان والو جن لوگوں کو تم سے پہلے کتابیں دی گئی تھیں اُن کو اور کافروں کو جنھوں نے تمھارے دین کو ہنسی اور کھیل بنا رکھا ہے۔ دوست نہ بناؤ اور مومن ہو تو خدا سے ڈرو۔''

سورۃ آل عمران، آیت ۱۱۸ میں نہایت وضاحت سے تاکید کی گئی ہے۔ ''اے ایمان والو! تم مومنین کے سوا کسی کو اپنا دوست نہ سمجھو۔ یہ لوگ تمھیں خراب کرنے میں ہرگز سستی نہ کریں گے۔ یہ تو چاہتے ہیں کہ تم مصیبتوں میں گھرے رہو۔ ان کی زبانوں سے بغض ٹپکا پڑ رہا ہے اور ان کے دلوں میں پوشیدہ دشمنی اس سے کہیں زیادہ ہے۔ ہم نے تمھارے لیے نشانیاں ظاہر (واضح طور پر) کر دی ہیں اگر تم عقلمندی سے کام لو (اور دشمنوں کو دوست سمجھنے کی حماقت نہ کرو)۔''

موجودہ دور میں بھی منافقوں اور کافروں کی عالم اسلام کے ساتھ کھلی دشمنی اور دوستی کے پردے میں مخاصمت، دل آزاری اور بدخواہی قدم قدم پر اللہ کے کلام کی صداقت کی آئینہ دار ہے۔ پھر وہ جبار وقہار دوٹوک الفاظ میں حکم دیتا ہے۔

''مت دوستی کرو اپنے اور خدا کے دشمنوں کے ساتھ۔''

لیکن ہم ہیں کہ دشمن کو دوست کہنے پر مصر ہیں۔ بچھے جا رہے ہیں اس کی خوشنودی کے لیے اس کی مکاری اور عیاری سے جان بوجھ کر اغماض برت رہے ہیں۔ رحمان ورحیم اللہ فرماتا ہے۔

''تمھارے دوست تو خدا اور اس کے رسولؐ اور مومن لوگ ہیں۔''

لیکن ہم اُن کو ہی اپنا دوست نہیں جانتے، ازلی دشمنوں کو دوست گردانتے ہیں یعنی

ہم کو اُن سے وفا کی ہے اُمید
جو نہیں جانتے وفا کیا ہے

اللہ کبیر الاکبر اور اس کے رسولِ اعظمؐ کو کذب وتکذیب، غرور و نخوت، ریاکاری، منافقت، نمود ونمائش اور اسراف تبذیر سخت ناپسند ہیں اُن کا حکم ہے کہ والدین عزیز واقربا اور ناداروں کو اپنے مال میں سے دو۔ لیکن ہم اپنی دولت وحشمت کے اظہار کے لیے سرراہ اور

گھروں کے آگے بزعم خود خدا اور رسولؐ کے لیے دیگیں پکوا کر کھانا تقسیم کرتے ہیں۔ لیکن غریبوں، اپاہجوں، بیروزگاروں کو ان کے اپنے پیروں پر کھڑا کر دینے کی کوئی سبیل نہیں کرتے حالانکہ رہبر عالمؐ نے اس کی عملاً مثالیں پیش کیں۔

خدائے رحیم و عادل فرماتا ہے۔

''جو لوگ خدا کی کتاب پڑھتے ہیں۔ اور نماز پابندی سے ادا کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں (پوشیدہ اور ظاہری طور پر) وہ اس تجارت (کے فائدہ) کے ہی امیدوار ہیں جو کبھی تباہ نہیں ہوگی۔ کیونکہ اللہ انھیں پورا پورا بدلہ دے گا۔ نیز اپنے فضل و کرم کے ساتھ کچھ زیادہ بھی دے گا۔ وہ تو بخشنے والا قدردان ہے۔'' (سورہ فاطر، آیات ۲۹-۳۰)

لیکن ہم اُس تجارت کی طرف نہیں لپکتے جو کبھی ضائع نہیں ہوگی۔ ہمیں دنیا کی عارضی منفعت ہی بھاتی ہے۔ ہمیں خسران کے سودے ہی عزیز ہیں۔ ہم اپنی بیٹی کو جہیز میں نہایت بیش قیمت لیکن نہایت غیر ضروری سامان تو دیتے ہیں لیکن کسی غریب کی بیٹی کے لیے چند نہایت ضروری اشیاء فراہم کرنا دشوار سمجھتے ہیں۔ ہم اپنی اولاد کو اعلیٰ تعلیم کے لیے یورپ اور امریکہ تک بھجواتے ہیں لیکن کسی غریب طالب علم کو اعلیٰ تعلیم کے لیے ملک میں بھی وظیفہ دینا ہمیں مشکل نظر آتا ہے۔ رہبر انسانیت کی تعلیمات کے برعکس دروغ گوئی ہر شعبۂ حیات میں ہمارا وطیرہ بن گیا ہے۔ نفع اندوزی کے لیے جھوٹ۔ اپنی فوقیت جتانے کے لیے جھوٹ۔ دوسروں کی عزت گھٹانے کے لیے دشنام طرازی ہر بات پر وعدہ خلافی، عہد شکنی، فریب دہی یہ سب باتیں اسلام کے منافی ہیں۔ لیکن ہمیں اس کی کیا پرواہے؟ روزمرہ کی نہایت قریب کی بات لے لیجیے۔ باری تعالیٰ نے فرمایا۔ ''اللہ پاک صاف رہنے والوں سے محبت رکھتا ہے۔''

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ''پاکیزگی نصف ایمان ہے۔''

پانچ وقت کی نماز کے لیے وضو اسی پاکیزگی کے لیے ہے۔ صاف جگہ، صاف لباس کی تاکید اسی کی اہمیت کے لیے ہے لیکن پانچ وقت کی نماز مسلمانوں کی کتنی فیصد آبادی ادا کرتی ہے؟ قلب و باطن کی صفائی تو دور کی بات ہے اپنی آبادیوں میں غلاظتوں اور کثافتوں کے ڈھیر لگے پڑے ہیں۔ گٹر بند ہوتے ہیں۔ فضا میں بدبو رچی ہوتی ہے۔ نہ متعلقہ محکموں میں فرائض منصبی کا احساس ہوتا ہے، نہ اہالیانِ محلّہ، علاقہ اپنی مدد آپ کی بنیاد پر کچھ کر گزرنے کی ہمت کرتے ہیں۔ حیوانوں سے بھی نچلی سطح پر زندگی گزر رہی ہے بس گزر رہی ہے۔ کتے کو دیکھیں دم ہلا کر جگہ صاف کر کے بیٹھتا ہے۔ بلی اپنی غلاظت خود خاک سے چھپا دیتی ہے۔ لیکن ہم اپنے ہاتھ پیر سے کام نہیں لے سکتے۔ روزمرہ کی زندگی میں ہم قدم قدم پر احکام خداوندی اور سنت رسولؐ کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔ اپنے فرائض منصبی میں، لین دین اور تجارتی پیمانوں میں، نجی زندگی میں حقوق کی ادائیگی میں، ہر فرمان کے خلاف عمل کرتے ہیں۔ لیکن ہمارا دعوائے حب رسولؐ اپنی جگہ قائم ہے۔ جس کا اظہار ہم جلوسوں میں اچھل کود اور بھنگڑوں کے ذریعے کرتے ہیں ایک طبقہ جلوسوں میں شامل نہ ہو کر اپنی کوٹھیوں میں آرائش و زیبائش سے چراغاں کر کے دوسروں پر سبقت لے جانے پر تلا رہتا ہے کچھ عجب نہیں کہ یہ روشن خیال طبقہ عید میلاد النبیؐ پر حضورؐ کی سالگرہ منانے کے لیے کیک کاٹنے کی رسم کو بھی فروغ دینے لگے!

خدائے سمیع و بصیر فرماتا ہے۔ ''اے ایمان والو! نہ خدا اور رسول کی امانت میں خیانت کرو اور نہ اپنی امانتوں میں خیانت کرو اور تم (ان باتوں کو) جانتے ہو۔'' (سورۃ الانفال)

لیکن ہم ہر شعبۂ حیات میں، زندگی کے ہر موڑ پر زندگی کے ہر ہر قدم پر بلکہ ہر سانس کی آمد و شد پر اللہ اور اس کے رسولؐ کے ساتھ، انسانیت کے ساتھ خود اپنے ضمیر کے ساتھ خیانت کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ ہم کیسے اور کس منہ سے حب نبیؐ کا اظہار کر سکتے ہیں۔ کبھی اپنا جائزہ لیا ہم نے؟ انفرادی اور من حیث القوم بھی!

فطرت افراد سے اغماض بھی کر لیتی ہے
کبھی کرتی نہیں ملت کے گناہوں کو معاف!
(اقبال)

مغربی خواتین کی حالت زار

اہل مغرب مسلمان مردوں کو خواتین پر تشدد، ان کے ساتھ نا انصافی اور بنیادی انسانی حقوق پر قدغن لگانے کا الزام دیتے ہیں، اس بنا پر اہل مغرب اسلامی ملکوں میں خواتین کو پروپیگنڈہ ہتھیار کے طور پر استعمال کرتے ہیں اور دنیا کو میڈیا کے ذریعے یہ باور کرانے کی کوشش کی جاتی ہے کہ اسلامی ممالک میں عورتوں کے ساتھ جانوروں سے بھی بدتر سلوک کیا جاتا ہے۔ انسانی حقوق کے تحفظ کے لئے کام کرنے والی تنظیموں کی نظر صرف مسلم ممالک میں پیش آنے والے واقعات پر ہی پڑتی ہے اور مغربی میڈیا ان واقعات کو بھرپور طریقے سے اچھالتا ہے۔ اس کے برعکس مغرب میں خواتین کو ایک کھلونا اور جانوروں سے بدتر سمجھا جاتا ہے۔ اگر وہ اپنے حقوق کی بات کریں تو ان کو قتل کر دیا جاتا ہے۔ وہاں انسانی حقوق کے حوالے سے صورت حال انتہائی تشویش ناک ہے۔ نسلی تعصب کا مظاہرہ اور خواتین کے حقوق کی پامالی سب سے زیادہ امریکہ اور برطانیہ میں ہوتی ہے جو انسانی حقوق کے سب سے بڑے چمپئن بنتے ہیں۔ مغربی معاشرے میں نیم برہنہ لباس پہننے والی خاتون ہر شخص کی نگاہوں کا مرکز ہوتی ہے، اس پر ہر طرف سے آوازیں کسی جاتی ہیں اور اسے پوری طرح ذلیل و رسوا کیا جاتا ہے لیکن اس کو روشن خیالی اور جدت پسندی کہا جاتا ہے۔ مغربی معاشرے میں ہر سال نہ جانے کتنی لڑکیاں جنسی تشدد کے بعد قتل کر دی جاتی ہیں، ہزاروں لڑکیاں شادی سے پہلے ماں بن جاتی ہیں جنہیں تشدد کے بعد گھر سے نکال دیا جاتا ہے۔ طلاق کی شرح خطرناک حد تک بڑھ چکی ہے، خاندانی نظام مکمل طور پر تباہ ہو چکا ہے۔ اسلامی اور مغربی معاشرے میں فرق زمین آسمان جیسا ہے۔ مغربی خواتین کی ان محرومیوں نے انہیں اسلام کی طرف دھکیل دیا ہے۔ خواتین کی بہت بڑی تعداد اسلام کی آغوش میں پناہ لے رہی ہیں۔

مغربی معاشرے میں خواتین کے حقوق کی پامالی کے حوالے سے مختلف ممالک کے اعداد و شمار پیش کئے جا رہے ہیں جو ان ممالک میں ہی تیار کئے گئے ہیں۔ یہ اس معاشرے کی بات ہے جہاں ایک ٹیلی فون کال پر پولیس پہنچ جاتی ہے اور ان ممالک میں خواتین کے حقوق کے لئے باقاعدہ قانون سازی کی گئی ہے، مگر اس کے باوجود وہاں کی خواتین غیر محفوظ ہیں اور خوف کے مارے اپنے ساتھ ہونے والے واقعات کی تھانے میں رپورٹ نہیں کرواتی ہیں۔ ان اعداد و شمار میں وہاں کی مظلوم خواتین کی تصویر دیکھی جا سکتی ہے جن کے لئے امن و آشتی اسلام میں ہی ہے، اسلام ہی ان کے دکھوں کا مداوا اور ان کے رستے ہوئے زخموں پر مرہم ہوگا۔

مغرب میں اسلام پھیلنے کی وجوہات

لندن کے مشہور روزنامہ ٹائمز نے اپنی 9 نومبر 1993ء کی اشاعت میں برطانیہ میں اشاعت اسلام کے بارے میں ایک بہت مفصل مضمون شائع کیا جس کا عنوان تھا ''برطانوی خواتین اسلام قبول کیوں کر رہی ہیں؟'' اس مضمون پر یہ سرخی بھی لگائی گئی تھی کہ مغربی میڈیا کی معاندانہ روش کے باوجود اسلام مغربی دلوں کو فتح کر رہا ہے۔ اس مضمون میں کہا گیا ہے کہ جس بھاری تعداد میں برطانوی باشندے اسلام قبول کر رہے ہیں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ اگرچہ برطانیہ میں مسلمانوں کی بڑی تعداد ان لوگوں پر مشتمل ہے جو اپنے ملکوں کو چھوڑ کر برطانیہ میں آباد ہوئے ہیں لیکن اب برطانوی نو مسلموں کی تعداد ان تارکین وطن کے مقابلے میں بڑھ جائے گی جو آبائی طور پر مسلمان تھے اور ترک وطن کر کے برطانیہ میں آباد ہو گئے۔

لندن ٹائمز نے لکھا ہے کہ اگرچہ مغربی پریس اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں ہمیشہ منفی تصویر پیش کرتا رہتا ہے، اس کے باوجود برطانوی باشندوں میں اسلام قبول کرنے کی رفتار تیزی سے بڑھ رہی ہے۔ اخبار کی اطلاع کے مطابق خواتین کی تعداد مردوں کے مقابلے میں چار گنا زیادہ ہے جو اسلام قبول کر رہی ہیں۔

آخر میں اخبار نے لکھا ہے:

مغرب کے لوگ خود اپنی سوسائٹی سے مایوس ہو رہے ہیں جس میں بڑھتے ہوئے جرائم، خاندانی نظام کی تباہی، منشیات اور شراب نوشی کا دور دورہ ہے۔ اسلام کے نظم وضبط اور تحفظ نے خصوصاً خواتین کو اپنی طرف متوجہ کیا ہے۔

نوریہ کا تبصرہ:

اسکاٹ لینڈ کی ایک 36 سالہ خاتون کو 1974ء میں قرآن کریم کی بعض آیات (العیاذ باللہ) ایک ردی کی ٹوکری میں پڑی ہوئی ملیں جنہیں اس نے اٹھا کر پڑھا اور اس کے دل میں اسلام کو جاننے کا شوق پیدا ہوا۔ وہ اسلام کے بارے میں پڑھ کر مسلمان ہوگئی۔ مغربی طرز عمل پر تبصرہ کرتے ہوئے اس خاتون نے کہا ''اس ملک میں زیادہ تر خواتین اپنی صنف کے خلاف بغاوت کر رہی ہیں اور یہ طرز عمل ہم سے ہماری نسوانیت چھیننے کے مترادف ہے''۔

ریڈلی کے تاثرات

نومسلم برطانوی صحافی ایوان ریڈلی اپنے اسلام قبول کرنے کے حوالے سے کہتی ہیں کہ وہ افغانستان میں صحافتی غرض سے حالات کا جائزہ لینے کے لئے گئیں، بغیر ویزہ داخل ہونے پر طالبان نے ان کو گرفتار کر لیا۔ اس قید میں وہ طالبان کے حسن سلوک سے بے حد متاثر ہوئیں۔ وہ کہتی ہیں کہ میں غصے سے بعض اوقات طالبان پر تھوک دیتی تھی لیکن وہ میرے اس ردعمل سے مشتعل نہیں ہوتے تھے۔ میں نے ہمیشہ ان کی آنکھوں میں اپنے لئے تقدس اور احترام دیکھا اور جب میں ان کی قید سے رہا ہونے لگی تو انہوں نے مجھے قرآن پاک پیش کیا اور کہا کہ اس کو پڑھنے اور سمجھنے کی کوشش کریں۔ برطانیہ واپس جا کر میں نے قرآن کا بغور مطالعہ کیا اور دین اسلام کو اچھی طرح سمجھ کر اسلام قبول کر لیا، اسلام قبول کرنے کے بعد سب سے بڑی آزمائش یہ آئی کہ میرے شوہر نے میرے اسلام قبول کرنے پر اعتراض کیا، میں نے اسلام کے بارے میں اس کو بتایا مگر باوجود اس کے اختلاف شدید ہوگیا جس کی بنا پر طلاق ہوگئی۔ اسلام قبول کرنے کے بعد شدت پسند عیسائیوں کی جانب سے دھمکی آمیز خطوط ملتے رہے، انہوں نے کہا حجاب اوڑھنے پر تشدد کا نشانہ بنائیں گے، قتل کر دی جائے گی، مگر یہ سب باتیں مجھے اسلام کے سچے راستے سے نہیں ہٹا سکتی تھیں، حجاب مسلمان عورت کے لئے عزت کا باعث ہے، حجاب عورت کو استحکام دیتا ہے، یہ مسلمان عورت کا امتیازی نشان ہے، یہ تقاضا کرتا ہے کہ عورت کی عزت کی جائے، میں نے دیکھا ہے کہ کئی غیر مسلم بھی حجاب کی عزت کرتے ہیں۔

ریڈلی کہتی ہیں'' میں سمجھتی ہوں لبرل ازم کا تعین دماغ اور کیریکٹر سے کیا جاتا ہے، آزادی کا اسکرٹ کے مختصر سائز سے کوئی تعلق نہیں، مغرب میں آزادی کا تعین لباس کی آزادی سے کیا جاتا ہے، میں اسے درست نہیں سمجھتی، مغرب میں عورت کے ساتھ ایک جنس سمجھ کر برتاؤ کیا جاتا ہے، فیملی یونٹ ٹوٹ گئے ہیں جس سے عورتیں زیادہ متاثر ہوتی ہیں، ٹین ایج ابارشن کی شرح نہایت تیزی سے بڑھ رہی ہے جس کی بڑی وجہ لوگوں کی مذہب سے لاتعلقی ہے، میں سمجھتی ہوں مذہب اسلام ہو یا عیسائیت.....وہ لوگوں کو راہِ راست پر رہنے کی تعلیم دیتے ہیں۔

مسلم ممالک کو مغرب کی اچھی باتیں ضرور اپنانی چاہئیں جن میں سرفہرست تعلیم کا فروغ، ہر فرد کی شخصی آزادی کا احترام، ہر فرد کو صحت اور علاج معالجے کی بہترین سہولیات کی فراہمی، معاشرتی نظم وضبط اور میرٹ کی بالادستی جیسے اصول مسلم معاشرے کی ترقی کا باعث بن سکتے ہیں''۔ (ان سب چیزوں کا اسلام بھی تقاضا کرتا ہے)۔

امریکہ کا دوسرا بڑا مذہب اسلام

اخلاقی اور نفسیاتی لحاظ سے امریکہ میں سکون وآرام دن بدن

ختم ہورہا ہے، خاندانی نظام مکمل طور پر تباہ ہوگیا ہے، عائلی زندگی کی حالت بہت خراب ہے۔ان سب محرومیوں نے ان کو اسلام کی طرف دھکیل دیا ہے۔امریکہ میں عورتیں بڑی تیزی سے اسلام قبول کررہی ہیں۔وہ اسلام کے اس پہلو سے خاص طور پر متاثر ہیں کہ ایک مسلمان عورت کتنے آرام وسکون و وقار سے زندگی گزارتی ہے 9/11 کے بعد 60 ہزار سے زائد مرد وزن نے اسلام قبول کیا اور اس سے کئی گنا زیادہ اسلام کا مطالعہ کررہے ہیں۔

امریکی عورتوں اور مردوں میں قبول اسلام کے رجحانات دیکھ کر امریکی ذرائع ابلاغ نے اسلام اور مسلم روایات و اقدار کے خلاف باقاعدہ مہم چلا رکھی ہے۔یہ ذرائع ابلاغ مسلسل عورت کے پردہ و حجاب کو اپنی تنقید کا نشانہ بناتے ہیں۔میڈیا میں امریکی فلموں میں یہ تاثر دیا جارہا ہے کہ مسلم پردہ نشین عورت معاشرے سے کٹ کر رہ جاتی ہے۔ان تمام مزاحمتوں کے باوجود اسلام امریکہ میں پھیل رہا ہے اور اس پھیلاؤ میں مرکزی کردار مسلم خواتین کا ہے۔حقیقت یہ ہے کہ مغربی عورت کی بے راہ روی ہی مغربی سماجی اقدار کے انہدام کی بنیاد بنی ہے، انشاء اللہ آنے والے دور میں مسلمان عورت ہی امریکہ میں اسلام کی اشاعت کی کلید ثابت ہوگی۔

برطانیہ:

انسانی حقوق کے سب سے بڑے چیمپئن برطانیہ کو انسانی حقوق اور امن وامان کے حوالے سے بہت فکر رہتی ہے اور وہ اپنی توپوں کا رخ مسلمانوں کی طرف رکھتا ہے۔برطانیہ میں ہر سال ایک کروڑ 29 لاکھ خواتین گھریلو تشدد کا شکار ہوتی ہیں جب کہ 80 ہزار خواتین کی ہر سال بے حرمتی کی جاتی ہے۔ویمن اینڈ فیڈریشن برطانیہ کی رپورٹ کے مطابق ہر ایک سو شادیوں میں سے ایک خاتون کو باقاعدہ منصوبہ بندی کے تحت تشدد کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔قتل ہونے والی 40 سے 45 فیصد برطانوی خواتین اپنے مرد ساتھیوں کا شکار بنتی ہیں۔دنیا کے مہذب ترین شہر لندن میں ہر سال گھریلو تشدد کا نشانہ بننے والی ایک لاکھ خواتین تشدد سے اس حد تک متاثر ہوتی ہیں کہ ان کو ہسپتال میں داخل ہونا پڑتا ہے۔دوتہائی طلاقیں مردوں کی اخلاق سے گری ہوئی حرکات، تشدد اور منشیات کے استعمال کی وجہ سے ہوتی ہیں۔رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ اس وقت برطانیہ میں 80 ہزار سے زائد خواتین طوائف کے پیشے سے وابستہ ہیں۔اس میں 85 فیصد عورتیں جسمانی تشدد، جب کہ 45 فیصد جنسی تشدد کا نشانہ بنتی ہیں۔ہیروئن یا دیگر منشیات استعمال کرنے والی طوائفوں کی تعداد 87 فیصد ہے۔گزشتہ 10 برسوں میں 70 کے قریب طوائفیں قتل ہو چکی ہیں۔طلاق اور ناجائز بچوں کی شرح میں خطرناک حد تک اضافہ ہوا ہے۔یورپی یونین کمیشن کی رپورٹ 2007ء کے مطابق یورپ میں ہر سال دس فیصد شادی شدہ جوڑے اپنے رشتے ختم کر دیتے ہیں جب کہ خواتین کی بڑی تعداد اپنی خودمختاری قائم رکھنے کے لئے شادی اور اس کے بعد بچوں کی پیدائش کے لئے تیار نہیں ہے۔جب کہ اسکینڈے نیوین ممالک (ناروے، ڈنمارک، فن لینڈ، سوئیڈن) میں تو شادیوں کی شرح میں 90 فیصد کمی آئی ہے اور پیدا ہونے والے 70 فیصد بچے ناجائز ہوتے ہیں یعنی انکے والدین کا آپس میں کوئی رشتہ نہیں ہوتا۔بچوں کی پرورش کی ذمہ داری مرد بن بیاہی ماں کے حوالے کر کے غائب ہو جاتا ہے اور ماؤں کی اکثریت ان کو حکومت کے حوالے کر کے یا گلی کوچوں میں پھینک کر اپنی ذمہ داریوں سے بری الذمہ ہو جاتی ہے۔اس معاملے میں اسکینڈے نیوین ممالک سب سے آگے ہیں جہاں 75 سے 85 فیصد بچے ناجائز ہوتے ہیں۔

جنسی تعلقات کی مکمل آزادی کے باوجود برطانیہ میں سالانہ 50 ہزار خواتین کی عصمت دری کی جاتی ہے جس میں صرف 6 فیصد ملزمان کو سزا ملتی ہے۔

یورپی یونین کمیشن کی رپورٹ کے مطابق 40 سے 50 فیصد خواتین کو اپنے دفاتر میں جنسی طور پر تشدد کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔عالمی ادارۂ صحت کے مطابق ہر تین خواتین میں ایک یورپی خاتون اپنی زندگی میں اسقاط حمل ضرور کرواتی ہے۔یہ عمل یورپ کی شرح آبادی کو بری طرح متاثر کررہا ہے۔

امریکہ:

دنیا کی واحد سپر پاور اوردنیائے اسلام کے خلاف نام نہاد دہشت گردی کی جنگ لڑنے والا امریکہ دنیا کا سب سے بڑا دہشت گرد ہے۔امریکہ میں خواتین کے کیا حالات ہیں، انسانی حقوق کے دعوے دارامریکہ میں اس کی کتنی پاسداری کی جارہی ہے، وہ اس بات سے ظاہر ہے کہ امریکی محکمہ انصاف کے مطابق اوسطاً ہر دومنٹ بعد کسی نہ کسی امریکی عورت کے ساتھ جنسی زیادتی کی جاتی ہے، جب کہ سالانہ 4لاکھ سے 5لاکھ تک زیادتی کے مقدمات درج کروائے جاتے ہیں۔اس کے علاوہ دوگنا تعداد ایسیخواتین کی ہے جو پولیس کے پاس جانے کی بجائے خاموش رہتی ہے، یعنی امریکہ میں سالانہ 12لاکھ سے 15لاکھ تک خواتین کی آبروریزی کی جاتی ہے۔زیادہ تشویش ناک بات یہ ہے کہ ان تمام خواتین میں ہر چھ میں سے ایک لڑکی کی عمر بارہ سال یااس سے کم ہوتی ہے۔

امریکہ میں تشدد کی تمام اقسام دیکھی جاسکتی ہیں۔ خاندانی ڈھانچہ نہایت کمزور ہو چکا ہے۔خودامریکہ کے اپنے سروے کے مطابق 60 سے70 فیصد خواتین کو ان کے شوہر جسمانی تشدد کا نشانہ بناتے ہیں American Institute of Domestic Violence کی رپورٹ کے مطابق امریکہ میں سالانہ 50لاکھ کے قریب عورتیں مردوں کے جسمانی تشدد کا نشانہ بنتی ہیں جن میں 40فیصدعورتیں بوائے فرینڈ یا شوہر کے ہاتھوں جسمانی تشدد کے بعد ہسپتال میں داخل ہوتی ہیں۔

ایمنسٹی انٹرنیشنل کے مطابق امریکہ میں شادیوں کی شرح میں سالانہ 25فیصد کے حساب سے کمی آئی ہے جب کہ طلاق کی شرح میں 10فیصد اضافہ دیکھنے میں آرہاہے۔سالانہ 10لاکھ بچوں کو اسقاط حمل کے ذریعے قتل کردیا جاتا ہے جب کہ اس سے دوگنا زیادہ بچوں کو بن بیاہی مائیں امریکہ کی گلیوں میں پھینک کر چلی جاتی ہیں جوامریکہ میں بے شمار ایسے بچوں کے بنے ہوئے اداروں میں پرورش پاتے ہیں اور اس کے بعد امریکہ کی فوج میں شامل ہوکر امریکہ کی نام نہاد دہشت گردی کے خلاف جنگوں میں ایندھن کا کام دیتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ امریکن افواج کے قتل و غارت کے بعد انہیں خاموشی سے دفنا دیا جاتا ہے، کوئی ان کو امریکہ میں رونے والانہیں ہوتا، کیونکہ ان کا وارث نہیں ہے جوان کے بارے میں تشویش میں مبتلا ہو یا جاننے کی کوشش کرے۔اس طرح یہ حرامی بچے امریکہ پر قربان ہوکر اس کے دہشت گردی کے خلاف جنون میں اضافے کا باعث بنتے ہیں۔

فرانس:

فرانس میں ہر سال تقریباً بیس لاکھ خواتین کو تشدد کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ پولیس ذرائع کے مطابق 10فیصد خاندانوں میں خواتین کو تشدد کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔خواتین کے حقوق کے لئے کام کرنے والے ادارے کی عہدیدار مائیکل اینڈری کے مطابق فرانس میں خواتین کے ساتھ جانوروں سے بھی بدتر سلوک کیا جاتا ہے۔اگر کوئی گلی میں کتے کو مارتا ہے تو کم ازکم ایک شخص جانوروں کی تنظیم کو اس کی شکایت کرتا ہے مگر کوئی اپنی بیوی کو مارتا ہے تو کوئی بھی اس کی شکایت نہیں کرتا بلکہ تماشا دیکھتے ہیں۔

ایک فرانسیسی اخبار نے پولیس کے ذرائع کے حوالے سے ایک رپورٹ شائع کی جس میں بتایا گیا کہ خواتین پر تشدد کے 92فیصد واقعات شہروں میں ہوتے ہیں جب کہ مدد کے لئے کی گئی 60فیصدفون کالز صرف پیرس سے ہوتی ہیں جن خواتین کو ان کے شوہر تشدد کا نشانہ بناتے ہیں ان میں زیادہ تر خواتین 25 سے 35 سال کی عمر کی ہوتی ہیں۔وہ اپنے شوہر کی دھمکیوں سے خوفزدہ ہوکر شکایت نہیں کرتیں۔

کینیڈا:

امریکہ کے بعد کینیڈا میں خواتین کی حالت زار بھی انتہائی افسوسناک ہے۔ ہر تین عورتوں میں سے ایک عورت جنسی زیادتی کا نشانہ بنتی ہے۔سالانہ 12لاکھ خواتین جنسی تشدد کا نشانہ بنائی جاتی ہیں۔ طلاق اور اسقاطِ حمل میں خوفناک حد تک اضافہ ہورہا ہے۔ یونیسیف کے مطابق 5لاکھ بچے اسقاط حمل کے دوران ہلاک ہوجاتے ہیں۔ کینیڈین حکومت کے سروے میں یہ بات سامنے آئی ہے کہ ہر تین

خواتین میں سے ایک خاتون اپنے موجودہ یا سابقہ ساتھی کے ہاتھوں تشدد کا نشانہ بنتی ہے۔36 فیصد خواتین نے کہا کہ بلوغت کی عمر سے اب تک کم ازکم ایک بار وہ تشدد کا نشانہ بن چکی ہیں۔ پولیس کے مطابق 81 فیصد تشدد کے واقعات دونوں کی طرف سے دیکھنے کو ملتے ہیں۔ پر تشدد واقعات میں سے 35 فیصد نشے کی حالت میں پیش آتے ہیں۔

جرمنی:

جرمنی ترقی یافتہ اور مہذب ملکوں کی فہرست میں شامل ہے۔ حکومت کے سروے کے مطابق یہاں پر ہر سال 2 لاکھ سے زائد خواتین کو ان کے شوہر یا بوائے فرینڈز تشدد کا نشانہ بناتے ہیں۔ ماہرین کے مطابق یہ تعداد اس سے زیادہ بھی ہوسکتی ہے۔ اس تشدد کی بڑی وجہ بے روزگاری، منشیات اور اپنی زندگی کا کوئی واضح مقصد نہ ہونا ہے، جس کی وجہ سے خودکشی کی شرح میں بھی اضافہ ہورہا ہے۔ حکومتی ادارے کی جانب سے اس حوالے سے لوگوں کو دو سالہ پروگرام کے تحت امداد دی جارہی ہے تاکہ لوگوں پر ذہنی دباؤ کو کم کیا جاسکے۔

نیوزی لینڈ:

نیوزی لینڈ میں سرکاری طور پر سروے میں یہ بات سامنے آئی ہے کہ ہر سال 4 لاکھ خواتین کو تشدد کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ طلاق کی شرح میں 65 فیصد اضافہ ہوا ہے۔ جس کی بڑی وجہ گھریلو تشدد ہے۔ 50 فیصد خواتین ملازمت پیشہ ہیں۔ 20 فیصد خواتین کا تعلق مڈل کلاس طبقے سے ہوتا ہے۔ تشدد کی رپورٹ لکھوانے والی خواتین کی تعداد نہ ہونے کے برابر ہے۔

سوئٹزرلینڈ:

عالمی ادارے کی جانب سے سوئٹزرلینڈ میں کئے گئے سروے کے مطابق 40 فیصد خواتین جسمانی تشدد کا نشانہ بنتی ہیں۔ 65 فیصد خواتین پر جنسی تشدد ہوتا ہے۔

تمام ممالک کے اندر ایک بات مشترک ہے کہ خواتین تھانے میں اپنے اوپر ہونے والے تشدد کی رپورٹ نہیں کرواتیں۔

☆☆☆

سُلگتا بلوچستان

بلوچستان پاکستان کا رقبے کے لحاظ سے سب سے بڑا صوبہ ہونے کے ساتھ ساتھ جغرافیائی اعتبار سے بے حد اہم حیثیت کا حامل ہے۔ افغانستان اور ایران کے ساتھ طویل سرحدوں کی بدولت یہ دنیائے مغرب کو مشرق سے ملانے اور وسط ایشیاء کے ممالک کو مغربی منڈیوں تک پہنچانے کا راستہ بھی فراہم کرتا ہے۔اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اس صوبے کو بے شمار قدرتی وسائل سے بھی مالا مال کر رکھا ہے۔سونا،تانبا،لوہا،کرومیم،کوئلہ،جست کے علاوہ قیمتی پتھر سنگ مرمر ،گرینائیٹ کی طویل وعریض چٹانیں،گندھک کے بڑے بڑے پہاڑ اس صوبے کے وجود کا حصہ ہیں۔تیل گیس کے ذخائر اس کے علاوہ پھلواور دیگر اجناس سے بھی مالا مال یہ صوبہ بین الاقوامی اہمیت کا حامل ہے۔

بلوچستان میں اٹھنے والی شورشوں کی جڑیں خاصی گہری ہیں اور اس کی بہت پرانی وجوہات ہیں جن کی طرف بروقت توجہ نہ دینے کی وجہ سے بلوچستان کا مسئلہ الجھتا چلا گیا۔اگر بلوچستان کی تاریخ پر نظر ڈالیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ بلوچستان میں حالیہ شورشیں قانونی،انتظامی سیاسی اور جغرافیائی نوعیت کی ہیں۔اگرچہ پاکستان کے ساتھ بلوچستان کے الحاق کو آج تک قوم پرستوں نے قبول نہیں کیا،اور وہ اس پر وقتاً فوقتاً اپنے تحفظات کا اظہار کرتے رہتے ہیں لیکن یہ قوم پرست جماعتیں الحاق کے متنازعہ موقف کے باوجود فیڈریشن کے نظریے کے ساتھ چلتی رہی ہیں افسوس کی بات تو یہ ہے کہ بہت سے معاملات میں بے انصافی اور وسائل کی غیر منصفانہ تقسیم کے باعث یہ سیاسی قوتیں بھی وقت کے ساتھ ساتھ وفاق سے دور ہوتی چلی گئیں۔

آبادی کے لحاظ سے چھوٹے پس ماندہ اور غریب صوبے کے ساتھ ہمدردی شفقت محبت اور خلوص کی بجائے جب بے اعتمادی کی فضا پیدا کی گئی،سوتیلی اولاد جیسا سلوک کیا گیا اور اجنبیت کی فضا کو برقرار رکھا گیا تو آہستہ آہستہ نفرت کی فضا پیدا ہوتی چلی گئی۔وفاق نے بلوچستان کے وسائل سمیٹنے میں تو کوئی کمی نہیں کی لیکن صوبے کے مسائل حل کرنے ، یہاں کے لوگوں کو وسائل دینے اور اس صوبے کی ترقی و خوشحالی کے لئے وسائل فراہم کرنے میں ہمیشہ تنگ دلی کا مظاہرہ کیا۔

اس کی زندہ مثال بلوچستان کے علاقے سے نکلنے والی معدنی گیس ہے جو کہ 1953ء میں درفت ہوئی۔وہ چند سالوں میں اسلام آباد پشاور اور پنجاب کے علاقوں میں چولہے روشن کرنے لگی اور فیکٹریاں آباد کرنے لگی۔لیکن خود صوبائی دارالحکومت کوئٹہ میں گیس 32 سال بعد 1985ء میں پہنچ سکی۔اس سے بڑھ کر ناانصافی کیا ہوگی کہ خود سوئی شہر کے کئی علاقے ، محلے اور آبادیاں آج تک اس نعمت سے محروم ہیں، بلوچستان کے کئی چھوٹے بڑے شہر آج تک اس معدنی دولت سے محروم ہیں اس محرومی کو اگر اس تناظر میں بھی دیکھا جائے کہ بلوچستان سے نکلنے والی معدنی گیس کی فی مکعب فٹ قیمت دوسرے صوبوں سے دریافت ہونے والی گیس کے مقابلے میں کم رکھی گئی ہے تو کیا یہاں کے لوگ اجنبیت اور محرومی کی اس انتہا کو نہیں پہنچیں گے جہاں آج موجود ہیں ؟ یہ قیمت حالیہ قومی مالیاتی رپورٹ میں ، جسے NFC رپورٹ کہا جاتا ہے، یکساں کی گئی ہے اور کئی سالوں سے ہونے والے اس استحصال کو اب ختم کیا گیا ہے۔

وفاقی ملازمتوں میں بلوچستان کا کوٹہ صرف 3.3 فیصد تھا جسے چند ماہ پہلے بڑھا کر 5 فیصد کیا گیا ہے۔ان ملازمتوں پر بھی بعض

اوقات دوسرے صوبوں کے افراد آجاتے ہیں ۔ اسی طرح قومی دولت کی فی کلومیٹر تقسیم کے لحاظ سے بلوچستان بہت نیچے ہے۔غربت کی شرح پچاس فیصد سے زائد ہے۔

اکثر علاقوں میں پرائمری سکول تک نہیں جس کی وجہ سے بلوچستان کے 45 فیصد سے بھی کم بچے پرائمری سطح کی تعلیم کیلئے داخل ہو پاتے ہیں۔ ہائی سکول اور کالج کی سطح پر تعلیم کا اس سے بھی بُرا حال ہے ۔ اسی وجہ سے شرح خواندگی بہت کم ہے ۔ اعلیٰ تعلیم کے لئے پورے صوبے کا انحصار صرف دارالحکومت کوئٹہ پر ہے اگر تربت، پنجگور، گوادر، ژوب، حب، لسبیلہ اور دیگر دوردراز کے علاقوں سے طلبا و طالبات نے ایم اے کے امتحانات میں شامل ہونا ہو تو انہیں کوئٹہ آنا پڑتا ہے۔

یہاں کی 23 فیصد آبادی کو پینے کے صاف پانی تک رسائی حاصل ہے۔ جبکہ دیگر صوبوں میں یہ سہولت 55 فیصد ہے۔صوبے میں آج بھی ایسی لاتعداد آبادیاں ہیں جہاں انسان اور جانور ایک ہی تالاب سے پانی پینے پر مجبور ہیں بجلی صوبے کے 12 فیصد علاقے تک پہنچ پائی ہے اس جدید دور میں مواصلات کے لئے صرف پانچ شاہراوں سے یہ صوبہ مستفید ہے اوران شاہراہوں کی حالت بھی انتہائی خراب ہے گھنٹوں کے سفر کے بعد ایک علاقے سے دوسرے علاقے تک پہنچا جاتا ہے۔

یہ صوبہ جو اکتیس اضلاع پر مشتمل ہے، ماسوائے کوئٹہ کے کہیں پر بھی متوسط درجے کی صحت کی سہولتیں میسر نہیں ہسپتالوں کی عمارتیں کھنڈرات میں تبدیل ہوچکی ہیں دوردراز علاقوں سے مریضوں کو کوئٹہ آنا پڑتا ہے اس وجہ سے حاملہ خواتین کی اموات کی شرح زیادہ ہے اور اکثر و بیشتر لوگوں کو علاج کیلئے کراچی اور لاہور کا سفر کرنا پڑتا ہے ۔ خود کوئٹہ پر افغانستان سے آنے والے مریضوں کا بوجھ بھی ہوتا ہے۔

صوبے کے اعلیٰ انتظامی عہدوں پر ہمیشہ غیر بلوچستانی لوگوں کو تعینات کیا جاتا رہا ہے جس کی وجہ بلوچستان کے عوامی حلقوں میں وفاق کی طرف سے بے اعتمادی سمجھی جاتی رہی ہے اسی طرح بلوچستان میں شروع ہونے والے میگا پروجیکٹس کی مخالفت بھی کی جاتی رہی ہے۔ ان پروجیکٹس میں گوادر میں گہرے سمندر کی بندرگاہ، گوادر تا وسط ایشیاء ریلوے لائن ، ریکوڈک اور سیندک میں سونے اور تانبے کا اخراج ، چمانگ میں کوئلے کیلئے کان کنی اور اسی طرح ترکمانستان افغانستان پاکستان انڈیا گیس پائپ لائن کی تنصیب کے منصوبے شامل ہیں ۔ اس کے بارے میں بلوچستان کے تمام سیاسی سماجی حلقے اور بلوچ قوم پرست اس بات پر متفق ہیں کہ ان ذخائر کی بنیادی ملکیت بلوچستان کی ہے چنانچہ ان کی دریافت اور اخراج پر اور اس کی تجارت پر ان کا حق ہونا چاہیے لیکن وفاقی حکومت نے اس حوالے سے جو بھی معاملات کئے ان میں بلوچستان کے مفاد کا خیال نہیں رکھا اور نہ ہی انہیں مشورے میں شامل کیا ۔ لیکن بلوچستان کی موجودہ حکومت نے نہ صرف گوادر پورٹ کا حقِ نگرانی وفاق سے واپس لیا ہے بلکہ ریکوڈک اور وفاق کے درمیان معاہدے کو بھی مسترد کر دیا ہے اور اس وقت یہ مسئلہ سپریم کورٹ کے از خود نوٹس کے تحت اس کے ایک بنچ کے سامنے زیر سماعت ہے یہاں پر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ مایہ ناز ایٹمی سائنس دان ڈاکٹر ثمر مبارک نے کہا ہے کہ ریکوڈک کے ذخائر ملک اور صوبے کے لئے نہایت قیمتی ہیں اور گوادر کی بندرگاہ کے حوالے سے قوم پرستوں کا کہنا ہے کہ اس منصوبے سے بلوچ اپنے ہی علاقے میں اقلیت بن جائیں گے اور تجارت کاروبار ملازمتیں مزدوری سب پر غیر مقامی لوگوں کا قبضہ ہو جائے گا ۔ ان کا کہنا ہے کہ بلوچستان میں ایسے منصوبے لوٹ کھسوٹ اور بلوچ وسائل پر قبضے کے برابر ہیں ۔ ان کے خیال میں بیرونی صوبہ سے آنے والے سرمایہ دار لوگوں سے یہاں پنجاب کو مزید بالادستی ملے گی اور یہاں کے لوگ مزید محکوم ہو جائیں گے۔

بلوچستان میں ہونے والی شورش میں بیرونی مداخلت کو رد نہیں کیا جاسکتا۔اس بیرونی مداخلت میں امریکہ اور بھارت ملوث ہیں اور وہ اپنے منصوبے اور عزائم کے تحت یہاں کے حالات کی خرابی کے ذمہ دار ہیں یہاں کی حکومت یا تو ان کے ساتھ ہے اور یا جان بوجھ کر آنکھیں بند کئے بیٹھی ہے۔

اس وقت صوبے کے بلوچ اضلاع میں علیحدگی کی تحریک زوروں پر ہے۔حکومت کی نااہلی اور ایجنسیوں کے پیچیدہ کردار کی وجہ سے دوریاں بڑھ رہی ہیں۔ لچک دکھانے کی بجائے حکومت ڈنڈے کے زور پر قوت کے ذریعے معاملات کنٹرول کرنے کی پالیسی پر عمل پیرا ہے۔حکومت نے آغاز حقوق بلوچستان جیسے کھوکھلے پیکج کے ذریعے یہاں کے لوگوں کو مطمئن کرنا چاہا لیکن یہ کھلونا بلوچ عوام کو بہلا نا سکا بلکہ نوجوانوں اور نوجواں لڑکیوں اور خواتین میں اس فکر کے اثرات بڑھتے ہوئے نظر آئے۔ بے گناہوں کو غائب کر دینا کہاں کا انصاف ہے؟ گمشدگی اور قتل جیسے رویوں کی بدولت یہ سوچ پختہ ہو رہی ہے کہ ''پنجابی سیاست'' کے ساتھ چلنا ممکن نہیں یہی وجہ ہے کہ اکثر تجزیہ نگار یہاں کے حالات کو مشرقی پاکستان جیسے حالات سے مشابہ قرار دیتے ہیں کیونکہ تعصب نفرت اور بے اعتمادی کی ایسی فضا تیار کی جا چکی ہے جس کیوجہ سے فکری انتشار بڑھتا چلا جا رہا ہے اور اس وجہ سے ٹارگٹ کلنگ لاپتہ افراد اور مسخ شدہ لاشیں بلوچستان کا مقدر بنتی چلی جا رہی ہیں۔2007ء سے 2010ء تک سینکڑوں آبادکار بے دردی سے قتل کئے گئے۔ ہزاروں گھرانے خوف و ہراس کا شکار ہو کر نقل مکانی پر مجبور ہو گئے جس میں ایک بڑی تعداد اساتذہ اور ڈاکٹرز کی تھی۔ان سب کے پیچھے مشرف دور کی وہ فصل ہے جو اس آمر نے بوئی اور نواب اکبر خان بگٹی کو قتل کروایا۔اس کے بعد اس قتل کو پنجاب استعمار کا حملہ قرار دیا گیا اور بلوچ شہروں سمیت کوئٹہ میں پنجابی اور اردو بولنے والے صوبوں سے آباد غیر مقامی افراد پر حملے شروع ہو گئے ٹارگٹ کلنگ کا شکار ہونے والے افراد میں سیاست دان، ماہرین، اساتذہ، صحافی، ڈاکٹر، انجینئر، مزدور اور حکام شامل ہیں۔لیکن حیرت کا مقام یہ ہے کہ تین چار سالوں میں انتظامی مشینری پولیس اور دوسرے سکیورٹی ادارے مکمل طور پر ناکام رہے اور دوسری طرف اغوا اور گرفتاریوں کے ذریعے لوگوں کو غائب کیا جاتا رہا۔

یہ سلسلہ آج تک جاری ہے بلوچستان میں گمشدہ افراد کے لئے قائم تنظیم نے دعویٰ کیا ہے کہ انہوں نے گیارہ سو سے زائد افراد کی فہرست اس حکومتی ادارے کے حوالے کی ہے جو ان کی بازیابی کے لئے بنایا گیا ہے اور گزشتہ چھ ماہ سے بعض لاپتہ افراد کی مسخ شدہ لاشیں ویرانوں سے ملنا شروع ہو گئی ہیں جن میں مزاحمتی تنظیموں کے لوگ اور قوم پرست سیاسی جماعتوں کے لوگ شامل ہیں۔قوم پرست اس کا الزام خفیہ ایجنسیوں پر لگاتے ہیں۔اس دوران کچھ نئی تنظیمیں بھی منظر عام پر آئی ہیں جنہوں نے ان لاپتہ افراد کے قتل کی ذمہ داری قبول کرتے ہوئے یہ اعلان کیا ہے کہ یہ لوگ وطن دشمن اور بے گناہوں کے قاتل تھے لہٰذا ہم نے انہیں بطور سزا اغوا کیا اور قتل کر دیا ہے۔لیکن قوم پرست اسے حکومت اور فوج کی سازشیں قرار دیتے ہیں۔آبادکاروں کے قتل کے بعد ٹارگٹ کلنگ میں بلوچ لیڈر شپ نشانہ بن رہی ہے جس میں صوبے کا وزیراعلیٰ اور گورنر (جو کہ خود ایک قبیلے کے سردار ہیں) بھی شامل ہیں۔

نتیجہ یہ کہ حکمران اگر ہوش کے ناخن لیں، اپنے اہم صوبے کے لوگوں کو ہمدردی اور محبت سے جیتنے کی کوشش کریں تو حالات بدل سکتے ہیں۔حکمت تدبر معاملہ فہمی کے ذریعے محرومیوں کا تدارک کیا جائے، ملک کی عدالتیں گناگاروں کو سزا دیں۔ پکڑ دھکڑ اور غائب کر دینے سے مسائل حل نہیں ہوتے۔ بلوچستان کے حالات پر پوری قوم کو تشویش ہونی چاہیے۔حکمرانوں کو سوچنا چاہیے مذہبی اور سیاسی جماعتوں کو مل بیٹھ کر اس مسئلے کا حل کرنا چاہیے بلوچ عوام اور بلوچ

طلبہ و نوجوانوں کا غصہ اور نفرت کا اظہار کرنا حق پر مبنی ہے بلوچستان کے عوام این ایف سی ایوارڈ، آغاز حقوق بلوچستان پیکج، میگا پروجیکٹس ، اٹھارویں آئینی ترمیم کے ذریعے بھیک اور خیرات نہیں مانگتے بلکہ وہ اپنی عزت اور جان و مال کی حفاظت اپنے وسائل پر اپنا حق ٹارگٹ کلنگ اور انسانی لاشوں کے مسخ کئے جانے کے المناک اور ظالمانہ اقدامات سے ہمیشہ کے لئے نجات چاہتے ہیں بلوچستان میں حالات کی خرابی کے لئے وفاقی ،صوبائی حکومتیں ،فوج ، ایف سی اور قانون نافذ کرنے والے ادارے برابر کے ذمہ دار ہیں ،جن کی کوتاہی کی وجہ سے بیرونی ہاتھ اپنا کھیل کھیل رہا ہے ۔ بلوچستان کے عوام تمام پاکستانیوں کی دعاؤں کے بھی طلب گار ہیں کہ وہ جلد از جلد حالات کے اس بھنور سے نکل پائیں اور اور پاکستان کی سلامتی پر کوئی آنچ نہ آئے۔آمین

☆☆☆

نعتِ رسولؐ

میں کیسے غیر کا ڈھونڈوں سہارا یا رسولؐ اللہ
یہ بے ادبی نہیں مجھ کو گوارا یا رسولؐ اللہ
زمانے کی نگاہیں تو مجھے اپنا سمجھتی ہیں
یہ سب سچ ہے مگر میں ہوں تمہارا یارسولؐاللہ
مجھے احساس ہے اِخلاص میں کچھ فرق آیا ہے
اثر سے خالی ہے ہر اِستعارا یا رسولؐ اللہ
فقط جلسوں میں اِظہارِعقیدت آج باقی ہے
کسے ہے یاد اب اُسوہ تمہارا یارسولؐ اللہ
پہاڑوں کی بلندی سے بھی گر کر بچ تو سکتے ہیں
نظر سے گر کے ہیں ہم پارہ پارہ یارسولؐاللہ
زمانہ آپ کی حقّانیت تسلیم کر لے گا
حقیقت ہو گی اک دن آشکارا یا رسولؐ اللہ
یہی اک آرزو ہے دھجیاں اُڑ جائیں باطل کی
اسی پر صرف کر دوں زور سارا یا رسولؐ اللہ
رِسالت کا نبھایا کام تم نے حسن و خوبی سے
''خدا بھی ہو گیا شیدا تمہارا یا رسولؐ اللہ''
عزیزؔ بے نوا کو کیسے یہ دنیا بھلادیتی
وہ خوش الحان شاعر تھا تمہارا یا رسولؐاللہ

عزیزبلگامی

نعت

پھر اُنؐ کی گفتگو کرنا
زباں کو با وضو کرنا
جب ان کے وصف لکھنا ہوں
قلم کو طیبہ رُو کرنا
رسولؐ اللہ کی سنت سے
مرتبّ اپنی خُو کرنا
ہدایاتِ رسالت سے
طبیعت کی نمو کرنا
نبیؐ کا نام جب لینا
ادب سے گفتگو کرنا
شمیم ارضِ طیبہ سے
معطر مُو بہ مُو کرنا
قلم سے ، ہاتھ سے ، دین کا
دفاعِ آبرو کرنا
ہوں وہ بھی دین میں داخل
دعا بہر عدو کرنا
جسے معروف نے سینچا
وہ گل زیب گلو کرنا
جہاں میں انتخاب اپنا
شعارِ آمنوا کرنا
شریعت کی قیادت میں
عمل کو قبلہ رُو کرنا

اُم عبدمنیب

ہدیۂ نعت

رتبہ ترا بلند کیا کائنات میں
کامل تجھے خدا نے کیا اپنی ذات میں

دیگر صحیفے اور رسولوں کو دے دیئے
اُم الکتاب اس نے رکھی تیرے ہاتھ میں

لغزش نہ آئی پایۂ ایمان میں کبھی
ثابت قدم رہا تو سدا مشکلات میں

دل میں نہیں تھا خوف خدا کے سوا کوئی
سوچا نہیں کہ بیٹھے ہیں دشمن بھی گھات میں

بدلا فضا کا رنگ تیری کاوشوں کے بعد
تبدیلیاں بھی آئیں نظر ؟نظریات میں

اوصاف تیرے لکھے تو کیسے لکھے قلم !
اتنی تو روشنائی نہیں ہے دوات میں

کرتا رہے خیال ترا میری رہبری
جلتا رہے چراغ یہ دشتِ حیات میں

شمیم فاطمہ

سلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر

سلام آپؐ پہ عالی مقام کہہ دینا
سلام آپؐ پہ خیر الانام کہہ دینا

بہارِ صبح مدینے اگر کبھی جانا
درِ حبیب پہ میرا سلام کہہ دینا

بہت دنوں سے تمنا ہے حاضری کی حضورؐ
سلام کہنا تو یہ بھی پیام کہہ دینا

مری حیات ، مری زندگی سنور جائے
کریں جو خواب میں مجھ سے کلام کہہ دینا

چمن چمن میں کھلوں ، پھول بن کے لہراؤں
حیاتِ نو کو ملے گر دوام کہہ دینا

جلائے آپؐ نے اُمید کے دیے ہر سو
چھلک رہے ہیں تمنا کے جام کہہ دینا

ذکیہ بلگرامی

پھر بہار آ گئی

آنے والی بہاروں کے در پر
صدا دے رہی ہے خزاں
تھک گئی ہوں مجھے اذنِ رخصت ملے
تا کہ پھر زندگانی کا بدلے سماں
وہ وفورِ نمو ہے کہ سب چادریں برف کی
زندگی کی حرارت سے گھلنے لگھلنے لگیں
سوکھی شاخیں نئی کونپلوں کی ہمک سے
لچکنے لہکنے مہکنے لگیں
کھول دو در کہ تازہ ہواؤں سے
بھر جائے ایک ایک گھر
جشنِ فصلِ بہاراں بپا ہو
کہ جھومے مسرت سے سارا نگر
پھر بہار آ گئی ہے خراج اس کو
نادیدہ خوشیوں کا دو
جیسے کلیاں چٹکتی ہیں ہنستے ہیں گُل
ایسے تم بھی ہنسو
مجھ کو اقرار ہے دینے آتی ہوں میں
زرد ہونے کا ہر شاخِ گل کو پیام
کیا کروں مالکِ عصر کا ہے ازل سے
یہی انتظام و نظام
قدر ہوتی بہاروں کی کیسے بھلا
جو دیارِ چمن میں نہ آتی خزاں
والہانہ لُبھاتے نہ ہرگز کبھی
سبزہ گل، ثمر، یہ شجر، گلستاں
سو مجھے خوش دلی سے کہو الوداع
سالِ نو آ گیا ہے پرانا گیا
اور لکھ دی گئی ہے تمہارے لئے
وقت کے ہاتھ پر تازگی کی دعا

نجمہ یاسمین یوسف

غزل

پیسہ پیسہ ڈھیر کرو ہو پیسہ کیا لے جاؤ گے
سب کچھ رہ جائے گا پیارے خالی ہاتھ ہی جاؤ گے

بولتی چڑیاں اُڑ جائیں گی دیکھتے ہی رہ جاؤ گے
جو کچھ ہے سب کھو جاؤ گے صرف کفن ہی پاؤ گے

جیون کا کچھ نہیں بھروسہ دنیا آنی جانی ہے
کام کرو کچھ اچھا بھائی ورنہ پھر پچھتاؤ گے

موسم نے جب بھی رُت بدلی آنکھیں میری بھیگی ہیں
سونا پڑا ہے آنگن میرا ساجن گھر کب آؤ گے

ساون نے انگڑائی لیکر میرے درد کو چھیڑا ہے
بوند بوند کو ترس رہا ہوں بادل بن کب چھاؤ گے

تم جو شہود اب چین کی خاطر نگری نگری پھرتے ہو
پہروں پہروں منزل منزل چل چل کر تھک جاؤ گے

شہود ہاشمی ریاض

غزل

شب ہے وہی مگر وہ ستارا بدل گیا
طوفان تو وہی رہے ، دھارا بدل گیا

ساحل کی آرزو تھی شکستہ سی ناؤ پر
سیلاب ٹل گیا تو کنارا بدل گیا

راحت کہاں ہے اہلِ وفا کے نصیب میں
دریا وہی بھنور وہی ،دھارا بدل گیا

بربادیوں کے بعد یہ ہے بستیوں کا حال
منظر بکھر گئے وہ نظارا بدل گیا

نورین کیا ہو ایسے منافق کا اعتبار
ہاں ایک بار کہہ کے دوبارہ بدل گیا

صائمہ نورین بخاری

غزل

حقیقت میں فسانے ضم نہ ہوں گے
دبانے سے مسائل کم نہ ہوں گے

یقیں کیسے کرے گا کوئی جب تک
تمہاری داستاں میں ہم نہ ہوں گے
ہمیں کیا ساتھ لے کر چل سکو گے!
ہمارے ساتھ کیا کیا غم نہ ہوں گے

یہ دیواریں بھی تصویریں ہیں اپنی
مگر بولیں گی تب جب ہم نہ ہوں گے

وفا کی راہ میں ایسا تو ہوگا
جہاں تم ہو وہاں کیا ہم نہ ہوں گے

انہیں مصلوب کرنا ہے تو کر لو
یہ دیوانوں کے سر ہیں خم نہ ہوں گے

راحت چغتائی

ڈاکٹر نزہت اکرام

کونسا پھول

بیلٹ گھوم رہی تھی، کافی لوگ اپنا سامان اٹھا اٹھا کے جا چکے تھے۔ وہ بیزار سا کھڑا گھومتی بیلٹ پر اپنے بیگ کے لئے ہی متلاشی نظریں دوڑا رہا تھا......مگر لا حاصل۔ بیس منٹ......پچیس منٹ!! ہوائی سفر میں ایک بار پہلے بھی اس کے ساتھ یہی کچھ ہوا تھا کہ اس کا اور چند دوسرے حضرات کا سامان لاہور کی بجائے اسلام آباد پہنچ گیا تھا پھر تین دن بعد وصول ہو سکا تھا۔ کتنی کوفت ہوئی تھی......کیا ہوگا اگر اب بھی! کیا پھر نیا لباس خریدنا پڑے گا؟ حد ہے بد انتظامی اور لاپروائی کی......اس کا دماغ سُلگ اٹھا اور تب ہی اس کا منا سا بیگ سامنے آتا نظر آیا کہ حاضر ہوں میں......ندیم نے اُسے گھسیٹ کر اٹھایا اور باہر نکل آیا۔ ہجوم چھٹ چکا تھا......سامنے ہی مسز عرفان اُسے آواز دے رہی تھیں۔''ندیم......ندیم بیٹا ادھر......ادھر آؤ۔'' تین ہاتھ لہرا رہے تھے کہ ان کی دونوں بیٹیاں بھی ان کے ساتھ موجود تھیں ائیرپورٹ پر۔

ندیم مسکراتا ہوا ان کے سامنے جا کھڑا ہوا۔''السلام علیکم! خالہ بی بھلا آپ نے کیوں زحمت کی میں ٹیکسی لے کر خود ہی پہنچ جاتا۔''

''لو بھلا زحمت کیسی'' خالہ بی نے اُس پر شفقتیں نچھاور کیں۔

''آپ ضرور راستہ بھول جاتے''، شیریں نے بڑے انداز سے اپنی ساڑھی کا پلو سنبھالا اور ہنسنے لگی۔ کراچی کی نم آلود بوجھل ہوا کے شریر جھونکے مسلسل اس کی ساڑھی سے اٹھکیلیاں کر رہے تھے وہ بار بار اُسے سمیٹ رہی تھی ندیم بھی ہنس دیا۔'' واہ میں کوئی بچہ تھا کہ راستہ بھول جاتا''۔

وہ باتیں کرتے چلتے جا رہے تھے، بس عنبرین خاموش تھی۔ جو راستہ دیکھا ہی نہ ہو اس میں بھٹک جانے کا امکان زیادہ ہوتا ہے۔''

کہتے کہتے شیریں نے سٹیرنگ سنبھال لیا۔ ندیم نے بھی فوراً جواب دیا۔''ہوتا ہوگا لیکن ہم بھٹکنے والوں میں سے نہیں ہیں۔ تم باہر آجاؤ ڈرائیو میں کرتا ہوں۔''

''جی نہیں آپ کو راستہ کہاں آتا ہے......اور وہ، سامان کہاں ہے آپ کا''۔

سامان......؟ کون سا سامان!؟

''یعنی کہ بس یہ بیگ ہی لے کر آئے ہیں آپ''؟

ندیم ہنس کر بولا'' تو اور کیا مکان لے کر آجاتا؟'' شیریں کا نقرئی قہقہہ گونجا''اچھا ٹھیک ہے آپ ادھر آجایئے'' اُس نے اپنے ساتھ والی سیٹ پر ہاتھ مارا۔''تم ادھر میرے پاس آجاؤ ندیم'' مسز عرفان نے کہا''ہم باتیں کرتے جائیں گے عنبرین فرنٹ پر شیریں کیساتھ بیٹھ جائیگی نا۔''

راستہ لمبا تھا۔ ندیم سوچ رہا تھا شاید کسی گنجان آباد علاقے میں مکان ہوگا اسی لئے انہیں خدشہ ہے کہ میں راہ بھول جاؤں گا۔ موڑ توڑ بہت ہوں گے!......لیکن مسز عرفان نے اُسے سوچ کی وادی سے کھینچ نکالا۔

باتیں ہوتی رہیں۔ بچپن کی باتیں، کالج میں شرارتوں پر، شادی بیاہ کی رسوم پر باتیں، ناکام سیاسیات کی باتیں، ضمیر فروش مقتدر لوگوں کے شرمناک اقدامات پر پھر زمینی اور آسمانی آفات سے پہنچنے والی تباہی پر، صاحب ثروت اور زر پرست طبقے کی بےحسی پر، عوام کی بےخبری اور جہالت پر باتیں......باتیں اور بس باتیں۔

ندیم قائل ہو گیا کہ امی کی طرح خالہ بی حالات حاضرہ سے خاصی باخبر خاتون ہیں اور گفتگو کے فن میں بھی خوب ماہر ہیں۔ وہ

چونک اٹھا جب گاڑی ایک شاندار گیٹ میں سے گزر کر ایک جدید طرز کی شاندار عمارت کے سامنے جارُکی تیز روشنی میں جھومتے خوبصورت رنگ برنگے پھول اور رات کی رانی کی مہک سے سرشار فضا اُس کو بیخود بنانے پر تلی ہوئی تھی ''ہوں.....تو یہ ٹھاٹ ہیں'' اس نے دل ہی دل میں خالہ بی کو سراہا۔لیکن خاموشی سے ان کے ساتھ چلتا وسیع اور ہر لحاظ سے آراستہ ڈرائینگ روم میں آ بیٹھا۔ساتھ ہی ٹی وی لاؤنج میں سٹار پلس پر پروگرام جاری تھے۔دونوں لڑکیاں شاید اُدھر ہی مصروف تھیں!ایک باادب صاف ستھرے لڑکے نے پھلوں اور مشروبات سے لدی پھندی ٹرالی اس کے سامنے لا رکھی۔

''کیا پیش کروں؟'' پلیٹ آگے کرتے ہوئے اس نے کہا۔

''کچھ نہیں بھئی! میں خود لے لوں گا''۔

''تم جاؤ ثوبان'' وہ معصوم لڑکا سر جھکا کر چلا گیا۔مسز عرفان اٹھ کر اس کے ساتھ آ بیٹھیں۔''دیکھو بیٹا سفر سے آئے ہو کچھ نہ کچھ تو لو۔پھر غسل کر لوا بھی کھانے میں کچھ دیر ہے شاید'' انہوں نے پیپسی کا گلاس اُسے پکڑایا اور پھلوں کی قاب پر متوجہ ہوگئی۔

یہ کون سا اتنا لمبا سفر تھا۔پھر فضائی مہمانی بھی! خالی گلاس رکھ کر وہ بولا''خالہ بی میں کچھ دیر لیٹ نہ لوں'' اور اُس نے کسلمندی سے اٹھ کر بڑے دیوان پر قبضہ جما لیا۔پاؤں جوتوں موزوں سے آزاد کئے دو کشن اوپر تلے رکھ کے سر کی پناہ میں دیدیئے ۔

''دیکھو بیٹا! اس گھر کو اپنا ہی گھر سمجھو جہاں دل چاہے بیٹھو، لیٹو، کھیلو یا ٹی وی دیکھو۔ساتھ والا کمرہ تمہارے لئے ہے جہاں تمہاری ضرورت کی ہر چیز موجود ہے۔مزید کچھ درکار ہو تو انٹر کوم پر بتا دینا۔سامنے لان میں ہر قسم کے گیمز کی بھی سہولت ہے آجکل شیریں کو کرکٹ سیکھنے کا جنون ہے وہ ضرور تم سے کہے گی کہ مجھے سکھا دو۔تم نے کالج سکول لائف میں کافی میچ کھیلے ہوں گے نا۔''

''جی ہاں کھیلے تو تھے لیکن یہ اکاؤنٹنسی کے چکر میں کھیل بھی خواب و خیال ہو گئے سی اے نے ہوش بھلا رکھے تھے فاؤنڈیشن کے ۵،انٹر کے ۷ اور فائنل کے ۸ پرچے بس قیامت تھے۔''

''ہاں بیٹے یہ بڑی ٹف لائن ہے۔شکر ہے تم نے اتنی شاندار کامیابی حاصل کی.....اب تو تمہارا کیریئر بن گیا سمجھو!''

ندیم غنودگی کے عالم میں بولا.....''بس دعا ہے آپ بزرگوں کی.....'' اور اس نے آنکھیں موند لیں وہ کشن ہی پر سر رکھ کر بے خبر سو رہا تھا مسز عرفان شفقت سے اُس کا جائزہ لے رہی تھیں۔حسن، شرافت، اور متانت کا حامل مہذب سا یہ نوجوان اُنہیں اپنا ہی بیٹا محسوس ہو رہا تھا جو چند برس پہلے ایک حادثے نے ان سے چھین لیا تھا۔کتنا خوبصورت اور ذہین تھا وہ اور کتنا فرمانبردار میرا بیٹا! وہ ملول سی ہو کر وہاں سے اُٹھ گئیں۔

ندیم کئی دن سے انٹرویو کی تیاری کے لئے مختلف کتابوں کے مطالعہ میں شب و روز مصروف رہا،متوقع سوالات کے نوٹس بناتا رہا۔کوئی کسر نہ رہ جائے۔وہ اس موقع کو کھونا نہیں چاہتا تھا۔آج کئی راتوں کی نیند اس پر بے طرح مسلط ہوگئی تھی۔

مسز عرفان اس کی امی کی کلاس فیلو تھیں تکمیلِ تعلیم اور شادی کے بعد بھی ان کے مابین دوستی کے رشتے پنپتے رہے لیکن پھر مسز عرفان اپنے شوہر کے پاس کیلی فورنیا چلی گئیں تو بس کبھی فون پر گفتگو ہو جاتی یا عیدین پر تہنیت کے کارڈز ایک دوسرے کی یاد کے ضامن بن جاتے ۶ سال قبل عرفان کے انتقال کے بعد مسز عرفان بچیوں کو لے کر پاکستان واپس آ گئیں بیٹا تو پہلے ہی سمندر کی لہریں ہڑپ کر چکی تھیں۔یہاں آ کر بھی وہ تینوں بہت اداس تھیں۔ان کو بہلانے کی خاطر مسز عرفان نے شمالی علاقہ جات کا رخ کیا۔راہ میں انہوں نے اپنی دوست نفیسہ کے یہاں بھی دو دن قیام کیا تھا ندیم نے تب ہی انہیں پہلی بار دیکھا تھا مسز عرفان نے بہت زور دیا کہ وہ دونوں ماں بیٹے بھی ان کے ساتھ چلے چلیں لیکن ندیم نے اپنے امتحان کا عذر کر کے خوبصورتی سے انہیں ٹال دیا تھا۔۶ سال کے بعد آج وہ ان کا مہمان تھا۔ہوایوں کی ٹیلی فون پر باتوں باتوں میں نفیسہ نے ندیم کے انٹرویو کا ذکر کر دیا۔بس وہ مصر ہوگئیں کہ کراچی میں وہ اُن کے گھر ہی قیام کرے گا۔

اگلے دن صبح ناشتے کی میز پر مسز عرفان سوال کر بیٹھیں کہ وہ انٹرویو دینے کہاں جائے گا اُس کے جواب پر وہ خوش ہو کر بولیں ''واہ تم تو سمجھو سلیکٹ ہو گئے، اس کمپنی کے مالک مرزا ناصر بیگ تو میرے بہنوئی ہیں!'' وہ تو امی کا ریگارڈ ہی بہت کرتے ہیں، شیریں نے اضافہ کیا۔ ندیم نے سنجیدگی سے کہا۔ لیکن خالہ بی میں سفارش نہیں چاہتا، اپنی قابلیت کو آزمانا چاہتا ہوں۔ مجھے رب العزت پر بھروسہ ہے وہ میری محنت کی لاج رکھے گا۔ میری اسناد ہی میری سفارش ہیں مسز عرفان نے اُسے تحسین کی نظر سے دیکھا، بولیں کچھ نہیں۔

انٹرویو دے کر وہ باہر آیا تو تقرری کے احکام بھی اسے مل چکے تھے وہ جلد از جلد یہ خبر اپنی پیاری امی کو دینا چاہتا تھا۔ اچانک ہی شیریں نے اس کے سامنے گاڑی کا پٹ کھولتے ہوئے کہا۔ ''آیئے!''

وہ چونک اٹھا ''ارے! آپ لوگ ابھی تک ادھر گھوم رہے ہیں! کمال ہے۔''

''کوئی ایسا کمال بھی نہیں عنبرین نے لائبریری سے کچھ کتابیں نکلوانے میں ہمیں لیٹ کر دیا۔ ابھی تو مجھے بھی کچھ شاپنگ کرنی ہے۔''

انگلش میوزک کی بے ہنگم چیخوں اور پرفیوم میں محصور وہ کار میں بیٹھا رہا۔ شیریں نے کاسمیٹکس کی ایک بڑی سی دکان کے سامنے گاڑی پارک کی ''آیئے آپ بھی!'' ندیم نے معذرت چاہی ''دراصل مجھے اس قسم کی خریداری کا کوئی تجربہ نہیں ہے عنبرین کو لیجاؤ یہ اچھا مشورہ دینگی!''

''ہنھ! انہیں تو الرجی ہے اس سے یہ کیا مشورہ دیں گی!'' بس وہ اکیلی ہی دکان میں جا داخل ہوئی۔ شاید برا مان گئی۔ ندیم نے ہاتھ بڑھا کر میوزک آف کر دیا اور جیب سے موبائل نکالنے لگا۔ اچانک عنبرین نے پوچھا۔ ''آپ کا انٹرویو کیسا رہا؟''

''بہت دلچسپ! بورڈ میں شامل حضرات نے باری باری بہت سوال کئے۔ اچھے خوش مزاج لوگ تھے۔ انتظار کرنے کو کہا گیا پھر آدھے گھنٹے بعد ہی تقرر نامہ مل گیا، شرائط نامے کو بھی پُر کروالیا۔!''

''الحمدللہ مبارک ہو! تو کب جائن کر رہے ہیں آپ؟''

''بس پرسوں سے کل اتوار ہے نا۔'' اُس نے جواب دے کر اپنی امی سے موبائل پر بات کرنا شروع کر دی۔ وہ بہت خوش نظر آ رہا تھا۔

سامنے کیفے سے بیرے نے آکر مودبانہ کہا۔ ''کوئی کولڈ ڈرنک سر؟'' ''تین پیپسی'' وہ بولا۔ ساتھ ہی عنبرین بول اٹھی ''میرے لئے نہ منگوایئے گا!'' ''کیوں؟'' ''میں نے یہودی کمپنیوں کا بائیکاٹ کیا ہوا ہے'' کولڈ کافی لے آؤں'' سر کہتا ہوا لڑکا پھرتی سے غائب ہو گیا۔ شیریں ابھی تک دکان میں مصروف تھی۔

ندیم نے گاڑی سے نکل کر کچھ پھل خریدے اور مٹھائی کا ایک ڈبہ بھی پیک کرایا۔ اتنے میں شیریں بھی آ گئی کافی سپ کرتے ہوئے وہ ہنسی ''تو اپائنٹ لیٹر مل گیا آپ کو!''

''تمہیں کیسے پتہ؟'' ندیم نے بھی جواباً ہنس کر پوچھا۔

آنکھیں مٹکا کر وہ بولی۔ ''ہمیں تو وہ کچھ پتہ ہے جو آپ نہیں جانتے!'' ندیم افسردہ سا ہو گیا۔ اُسے لگا جیسے وہ جتا رہی ہے کہ تقرری اس کی ماں کی سفارش سے ہوئی ہے۔ اس کے جی میں آئی یہ تقرر نامہ چاک کر کے یہیں پھینک دے۔ لیکن وہ یہ صرف سوچ ہی سکا۔ اُس کے حالات اُسے اس ملازمت پر ٹھوکر مارنے کی اجازت نہیں دے سکتے تھے۔ ساتھ ہی اس نے انٹرویو کے دوران کئے گئے سوالات پر اپنے جوابات اور بورڈ کے تاثرات ذہن میں لا کر دل کو تسلی دی۔ سفارش نہ بھی ہوتی تو وہ پالا مار چکا تھا۔ اس نے دانشمندی سے حالات کو قبول کر لیا۔

دو ماہ بعد اس نے اپنی امی کو کراچی بلا لینا چاہا کرایہ پر ایک چھوٹا سا خوبصورت بنگلہ دیکھ لیا تھا لیکن مسز عرفان کے آگے اس کی ایک نہ چلی وہ نفیسہ کو اپنے ساتھ رکھنے پر بضد تھیں یہ ان ماں بیٹے کو گوارہ نہ ہوا تو بات ادھر میں رہ گئی۔ بس رات کو وہ موبائل پر ہی امی سے باتیں کر لیتا تھا۔ آفس میں بھی ندیم نہات مستعدی سے اپنے فرائض منصبی ادا کر رہا تھا شام کو گھر آتا تو شیریں کے نقرئی قہقہے اس کے اعصاب پر سوار ہو جاتے اتوار کا دن اکثر کرکٹ کی نذر ہو جاتا یا پکنک منائی جاتی

ہاکس بے، منوڑا یا کسی اور جزیرے کا رخ کرتے ۔ کراچی میں سیر گاہوں کی کیا کمی تھی ۔لیکن وہ بچپن سے اتنے سیر سپاٹوں کا عادی نہ تھا۔ان ہنگاموں سے اکتا جاتا تھا۔ باپ کے انتقال کے بعد ماں نے اسے بڑے چلن سے چلنا سکھایا تھا۔محنت اور شوق سے تعلیم حاصل کر کے اپنا مستقبل بنانے کی جستجو میں رہتا ۔ البتہ کشمیر میں زلزلہ آیا تو وہ کالج کی طرف سے اور اپنی امی کے ساتھ بھی زلزلہ زدگان کے لئے دن رات مصروف رہا۔کراچی میں بھی سیاسی ہنگاموں،طوفانی بارشوں اور سیلاب کے علاوہ دھماکوں سے ہونیوالی تباہیاں دیکھیں لیکن وہ جس علاقے میں مسز عرفان کے ساتھ رہ رہا تھا وہاں ان معاملات میں کوئی دلچسپی لیتا نظر نہ آتا تھا۔اگر کوئی گروپ چندہ لینے آجاتا تو کچھ رقم کا چیک ضرور دیدیا جاتا اس نے بھی اس طرح رقم کی ادائیگی کا وطیرہ اپنا لیا عملاً امداد کے لئے اس کے پاس وقت ہی کہاں تھا۔ اردگرد بھی احساسات سے بیگانہ لوگ تھے ۔ اپنی ہی مصروفیات میں ،تفریحات میں مگن یا اپنی بزنس چمکانے کی لگن اڑائے پھرتی تھی۔

کرکٹ سیکھنے کا جنون شیریں پر ابھی تک مسلط تھا ندیم بھی اس پر خاصی محنت کر رہا تھا اب وہ کچھ کچھ مشاق ہوگئی تھی ۔اُس دن جو اس نے پوری قوت سے ہٹ لگائی ، گیند درختوں کو پار کر کے دور سرونٹ کوارٹر میں جا گری ندیم دوڑتا ہوا ایک چھوٹی سی انگنائی میں جا نکلا اور ٹھٹھک کر رہ گیا ۔ میلے اُجلے کپڑوں کے ڈھیر کے سامنے بیٹھی عنبرین مشین چلا رہی تھی ۔ بے ساختہ اس نے کہا یہ کیا ہو رہا ہے بھئی !عنبرین نے سر اٹھا کر اُسے دیکھا ہی تھا کہ پاس بیٹھی ہوئی بچی بول پڑی ۔ ''باجی ہمالے تپلے ٹھیت تل لہی ہیں''

''اچھا! باجی آپ کے کپڑے ٹھیک کر رہی ہیں !'' کہتے ہوئے ندیم نے گیند اٹھائی اور واپس دوڑ پڑا .....نجانے شیریں نے کتنے رنز بنا ڈالے ہوں گے اس نے سوچا۔سٹمپ پر جب اس کی گیند جا لگی تو شیریں کے نقرئی قہقہے لان میں گونجنے لگے ۔ دھنک رنگ لباس میں وہ بجلی کی طرح لشکارے مار رہی تھی ۔ یہ شوخ وچنچل لڑکی اتوار کے اتوار تو اسکو بری طرح تھکا دیتی تھی پھر اس کے یہ نوع بنوع تراش کے جدید ترین خوش رنگ لباس اسے ایک بار تو ضرور چونکا دیتے تھے ۔صبح کو دفتر کے لئے لباس تبدیل کر کے وہ جلدی سے ناشتہ کی میز پر پہنچنا چاہتا تھا۔اچانک شیریں نے ''ہرا'' کا نعرہ لگایا تو وہ دروازے کے قریب ہی رک گیا۔مسز عرفان نے پوچھا کیا ہوا؟ کیا ہوگیا ؟.....وہ تینوں برآمدے میں بیٹھی تھیں شیریں خوشی سے سرخ ہوئی جارہی تھی ۔ یہ دیکھئے امی ! ماریہ خان نے آل پاکستان بیڈمنٹن چیمپئن شپ جیت لی ۔اس نے اخبار اچھال کر قہقہہ لگایا۔''ہوں .....تو اس میں اتنی خوشی کی کیا بات ہے ۔''عنبرین نے بدمزہ ہوکر کہا۔

''ہونہہ!''شیریں نے اس پر چڑھائی کر دی۔

''تمہیں تو اس وقت بھی خوش ہونے پر اعتراض تھا جب ہماری خواتین کی ٹیم کرکٹ میں ایشین گیمز سے طلائی تمغہ جیت کر لائی تھی ۔ تمہیں تو پاکستانی کھلاڑیوں کے سکوائش میں طلائی تمغہ حاصل کرنے پر بھی کوئی مسرت نہیں ہوئی تھی یا ہماری ہاکی ٹیم نے ایک عرصہ بعد چیمپئن شپ جیت لی تھی تب بھی تم ناخوش ہی نظر آرہی تھیں حالانکہ پوری قوم نے ڈھول باجے ناچ گانے سے اُن کا پُر جوش استقبال کیا تھا۔ٹی وی پر دیکھا نہیں تھا؟''

جز بز ہوکر عنبرین برس پڑی ۔''کبھی تم نے سعودی عرب ، ملائیشیا، کویت ،قطر فلپائن ،قازقستان اور ازبکستان میں ایسی معمولی سی خوشی پر کھلاڑیوں کا اتنا پر جوش استقبال دیکھا ہے ٹی وی پر!''

شیریں نے تلملا کر کہا۔''ان ملکوں کا کیا ذکر ہے زیادہ تر ابھی پہلی صدی ہجری میں ہی نظر آتے ہیں ۔خواتین کو دس پردوں میں چھپا کر رکھتے ہیں انہیں کھیلنے کون دیتا ہے !!''''عنبرین جھلائی ۔'' کھیلنے سے روکتا کون ہے ابھی چند ماہ پہلے ہی خواتین کی باپردہ ٹیم نے کرکٹ میچ سعودیہ میں جیتا تھا۔رہی اکیسویں صدی کی زندہ اقوام کی بات تو تم نے انہیں تمغے ملنے کی فہرست کبھی دیکھی ہو تو پتہ چلے نا! ابھی ایران نے 19 طلائی تمغے، گیارہ چاندی کے اور کانسی کے 23 تمغے جیتے ہیں ، جاپان نے 39 تمغے طلائی ، چاندی کے 68 اور پھر کانسی کے 86 تمغے حاصل کئے ہیں۔جنوبی کوریا نے 72 طلائی ،60 چاندی کے اور 85 کانسی

کے لئے ہیں ۔اور چین .....چین نے تو 180 تمغے طلائی ہی جیت لئے ہیں ان کے سامنے پاکستان کی کیا وقعت ہے ۔3 طلائی تمغے ،2 چاندی کے اور 2 کانسی کے!.....تم سوچو۔خود سوچو ہماری قوم کس کارنامے پر خوشی سے ناچ رہی ہے ؟عنبرین کا دکھ اس ذلت پر اس کی کالی آنکھوں اور سنولائے ہوئے چہرے پر چھا گیا تھا ۔مسز عرفان نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔مصائب و آلام میں پسی ہوئی ،خوشیوں کو ترسی ہوئی عزت و وقار سے محروم قوم کے عوام اتنی سی خوشی پا کر ہی مزید کچھ جانے بغیر ڈھول تاشے بجانے لگتے ہیں بھئی!

ثوبان نے آ کر کہا۔بیگم صاحب جی ناشتہ لگ گیا ہے اور ندیم صاحب کے دفتر سے گاڑی بھی آ گئی ہے۔اوہو آج تو دیر ہو جائیگی کہتا ہوا ندیم کمرے سے نکل آیا۔

وہ اتوار کا ہی دن تھا۔بارش کبھی طوفان کی شکل اختیار کر لیتی ، کبھی رم جھم پر اُتر آتی ۔ندیم اور شیریں کھانے کی میز پر موجود تھے ۔ اور کوئی نہیں تھا۔

خالہ بی کہاں ہیں ۔ندیم نے پوچھا۔روٹی بنا رہی ہیں شیریں نے بتایا۔

کیوں ۔؟ خانساماں کو کیا ہوا؟ وہ اپنے گوٹھ گیا ہوا ہے ادھر سیلاب آیا ہوا ہے نا! اوہو۔پتہ نہیں کب واپسی ہوگی اس کی ۔نہ جانے کیا گزری ہوگی بیچارے کے خاندان پر ندیم افسردہ ہو گیا۔پھر اچانک بولا شیریں روٹی تم بناؤ نا جا کر خالہ بی اکیلی لگی ہوئی ہیں ۔کچن میں!

واہ مجھے روٹی بنانا کب آتی ہے جو میں وہاں جاؤں .....آپ بھی کیا بات کرتے ہیں ! وہ ہنس رہی تھی ثوبان فریج سے کبابوں کی ڈش نکال کر کچن میں جاتے ہوئے بولا ،عنبرین باجی تو بہت اچھے پُھلکے بنا لیتی ہیں لیکن آج وہ میری امی کو لے کر صبح سے ہسپتال گئی ہوئی ہیں ابھی تک نہیں آئیں .....کہیں پانی میں پھنس نہ گئی ہو گاڑی! وہ خاصا پریشان نظر آ رہا تھا وہ بے حد ملول سا ہو کر چلا گیا تو شیریں نے کہا۔

یہ ثوبان ہے نا اس کی امی کو کینسر ہے ۔ میں بار بار کہتی ہوں عنبرین اس کے پاس گھسی نہ رہا کرو،خود بھی کینسر کا شکار ہو جاؤ گی لیکن وہ ہے کہ مانتی ہی نہیں ۔کبھی اس کو دوا پلا رہی ہے،کبھی اس کے کپڑے دھو رہی ہے کبھی سی رہی ہے ۔بھئی مالی خود بھی اس کی دیکھ بھال کر سکتا ہے تم کیوں اپنی جان کھپاتی ہو.....!مگر مجال ہے کہ وہ باز آ جائے ۔

اور تب ہی چوکیدار نے گیٹ کھول دیا عنبرین گاڑی سیدھی سرونٹ کوارٹر کی طرف لے گئی ۔سورہ رحمان کی تلاوت گونج رہی تھی ۔ جو مدہم ہوتی چلی گئی ۔

وہ نہا دھو کر میز پر آئی تو کھانا چُنا جا چکا تھا۔ پلاؤ، کباب دہی اور ساتھ میں شیریں کی فرمائش پر موسم کی مناسبت سے آلو قیمے کے پراٹھے بھی تھے سب نے سیر ہو کر کھانا کھایا۔عنبرین نے قہوہ بنا کر پیش کیا تو مسز عرفان خوش ہو گئیں ۔ایک دو چسکیاں لے کر وہ بولیں عنبرین آج تمہیں معمول سے زیادہ ہی دیر ہو گئی ۔کیا بارش کی وجہ سے؟

''جی نہیں امی ،زونی کو بے حد کمزوری محسوس ہو رہی تھی اس کو ایک بوتل خون کی لگوائی اس دوران ، میں جنرل وارڈ کی طرف چلی گئی وہاں متعدد سیلاب زدگان بخار اور کئی تو سخت زخمی حالت میں بھی ہیں نا،بس ادھر کچھ دیر ہو گئی ۔کل آپ بھی چلئے گا امی !ان کے حالات سُن سن کر رونا آ جاتا ہے ۔ کیسے کیسے لوگ بے آسرا ہو گئے ۔تباہ ہو گئے اپنے بچوں کو ڈوبتے دیکھا۔کیا کچھ نہ دیکھا!مسز عرفان ابھی کچھ کہہ نہ پائی تھیں کہ شیریں بول پڑی ۔پھر تمہیں تو کہانیوں ،افسانوں کے لئے کئی پلاٹ مل گئے ہوں گے!

عنبرین نے اسے تیکھی نظروں سے دیکھا تو وہ ہنس پڑی ۔''تو کیا میں غلط کہہ رہی ہوں ،تمہارے افسانے رسالوں میں شائع ہوتے ہیں کہ نہیں ؟اس طرح کے دُکھ درد کے مناظر ملتے ہیں ان میں ۔خوشی کا تو تمہیں پتہ ہی نہیں!''مسز عرفان نے اٹھتے ہوئے کہا۔''عنبرین میں اور شیریں دونوں کل تمہارے ساتھ ہسپتال چلیں گے ۔انشاءاللہ''

وہ اپنے کمرے میں جا چکیں تو شیریں جھلائی .....واہ میں خواہ مخواہ ہی .....کل مجھے تو اپنی دوست کی منگنی پر جانا ہے ۔ امی نے اجازت بھی دیدی تھی ۔!میں کیوں بیگار میں پکڑی جاؤں ۔واہ!

عنبرین نے کلاک پر نظر ڈالی۔ خیر جاؤ نہ جاؤ تمہاری مرضی نماز تو پڑھ لو۔ وقت جا رہا ہے۔

تینوں اٹھ کھڑے ہوئے۔ مسز عرفان نے نماز کی پابندی ضرور مقدم رکھی تھی سب پر، کیا بیٹیاں کیا گھر کے ملازمین، ندیم تو پہلے ہی صوم وصلوٰۃ کا پابند تھا۔ اس دن عصر کے بعد ندیم برآمدے میں بیٹھا باغ کے حسن میں کھویا ہوا تھا کہ ثوبان اور اس کی چھوٹی سی بہن سنیا، عنبرین کے کمرے سے نکلے، ثوبان کے ہاتھ میں کتابیں تھیں ندیم نے کہا دکھاؤ ذرا یہ کتابیں۔ ثوبان نے مسکراتے ہوئے اسے تھما دیں۔

یہ تو آٹھویں کلاس کا نصاب ہے۔ کون پڑھتا ہے یہ؟ عنبرین باجی مجھے پڑھاتی ہیں، کہتی ہیں میں تمہیں پرائیویٹ میٹرک کا امتحان دلاؤنگی! سنیا نے آگے بڑھ کر اپنا نورانی قاعدہ اس کے ہاتھ میں دیدیا۔ میں بھی ان چھے تائیدہ پلتی ہوں.....شاباش! ندیم نے اس کے سرخ سرخ گال تھپتھپائے۔ ندیم کی آواز سن کر شیریں بھی اپنے کمرے سے برآمد ہوگئی۔ دونوں بچے چلے گئے تو بولی۔ خواہ مخواہ وقت ضائع کرتی ہے ان کے ساتھ، بھلا یہ لوگ پڑھنے والے ہیں! بڑی حقارت تھی اس کے لہجے میں۔ ندیم کچھ بے چین سا ہوگیا۔

ثوبان پھر آموجود ہوا۔ بیگم صاحب چائے کی میز پر آپ کا انتظار کر رہی ہیں، ندیم نے اندر داخل ہوتے ہی لدی پھندی ٹرالی اور میز دیکھی تو حیران رہگیا خالہ بی آپ اتنا تکلف کیوں کرتی ہیں مجھے شرمساری ہوتی ہے۔

لو بھلا۔ اس میں تکلف کیا ہے تم آج جلدی آگئے۔ کھانے کے لئے بھی منع کر دیا تھا، اب تو کچھ لے لو نا۔ پھر جلدی کہیں جانے کو بھی کہہ رہے تھے۔

کیا خانساماں آگیا.....ندیم کرسی پر ٹک کر بولا۔

نہیں تو.....تو پھر یہ سب آپ نے تیار کیا ہے؟

لو بھلا یہ عنبرین مجھے کچھ کرنے دیتی ہے!

مگر یہ تو اپنے کمرے میں ثوبان کو پڑھا رہی تھیں۔

ثوبان نے چائے پیالوں میں ڈالتے ہوئے کہا۔ ہمیں سبق دے کر باجی کچن میں آگئی تھیں ہم ان کے کمرے میں ڈسٹنگ کرنے کے لئے رُک گئے تھے۔

میں نے بھی ڈچھٹن تلی تھی۔'' تم نے بھی! ندیم حیران ہوکر رہ گیا۔

ثوبان نے کہا ہاں جی، باجی کہتی ہیں بچوں کو شروع سے کام کا شوق دلانا چاہیے، تاکہ جفاکشی کی عادت پڑے! اس کو جیب خرچ بھی دیتی ہیں وہ اور گڑیاں بھی! اور پڑھاتی بھی ہیں۔ کہتی ہیں علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے علم میراث ہے ہر مسلمان کی..... ہمارے پیارے نبیؐ کا فرمان ہے یہ۔ اور اللہ تعالیٰ بھی فرماتا ہے کیا عالم اور ان پڑھ برابر ہو سکتے ہیں؟

رات زیادہ ہو چلی تھی، آجکل ندیم کچھ دیر سے آنے لگا تھا۔ مگر آج تو زیادہ ہی دیر ہوگئی تھی۔ مسز عرفان پریشانی کے عالم میں ٹہل رہی تھیں۔ خدا خیر کرے یہ کسی چکر میں نہ پھنس جائے وہ اس طرح اپنے بیٹے کے لئے بھی بے قرار سی ہو جاتی تھیں۔ بیٹیوں کو گریجویشن کے بعد مزید تعلیم سے روک دیا تھا کہ کراچی کے حالات ناگفتہ بہ ہوتے جا رہے تھے شیریں تو مزے سے ''چیٹنگ'' کرتی رہتی، عنبرین اپنی مصروفیات کی دنیا الگ ہی رکھتی تھی۔

مسز عرفان کا بھاری وجود تھکن محسوس کر رہا تھا وہ اپنے کمرے کی طرف ہولیں۔ میں بھی ایسے ہی پریشان ہوئی جاتی ہوں وہ کہہ تو گیا تھا کہ کھانے پر میرا انتظار نہ کریں مجھے رات زیادہ ہو جائیگی۔ چلو لیٹ جاتی ہوں تھوڑی دیر۔

تھوڑی دیر میں ہی نیند اتنی غالب آئی کہ نہ چاہتے ہوئے بھی وہ سوگئیں، حسب معمول جب تین بجے کے قریب ان کی آنکھ کھلی تو وہ ہڑبڑا کر برآمدے میں نکل آئیں۔ ندیم کے کمرے میں روشنی ہو رہی تھی۔ وہ اس کے دروازے پر پہنچیں تو معلوم ہوا وہ ہنس ہنس کر کسی سے بات کر رہا ہے وہ اور پریشان ہوگئیں۔ اس وقت کون ہے اس کے پاس! وہ زور سے ہنسا۔ ''چھوڑیے امی یہ چاندسی دولہن کی تلاش!

بس آپ اس ہفتے ماموں جان کے ساتھ کراچی آجائیں۔خالہ بی کہہ رہی تھیں انہوں نے آپ سے بات کرلی ہے آپ رمضان شریف کے روزے کراچی میں ہی ہمارے ساتھ رکھیں گی عید مل کر منائیں گے امی .....نہیں نہیں مستقل یہاں رہنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔میں نے آپ کو بتایا نا کہ گھر مکمل ہو چکا ہے۔بجلی پانی گیس سب کے کنکشن مل چکے ہیں بس آپ جلدی سے آجائیں۔سامان ماموں جان ڈس پوز آف کردیں گے۔ادھر کمرے آپ کو فرنشڈ ملیں گے نا، ماموں جان نے ہماری کوٹھی بروقت فروخت کر کے بڑی سہولت دیدی ہے۔میں ان کا احسان بھول نہ سکوں گا۔''

مسز عرفان خاموشی سے واپس اپنے کمرے میں آگئیں۔کمال لڑکا ہے بھئی ! چپکے چپکے ہی اتنے کام کر ڈالے ! وہ خوش ہو کر وضو کے لئے غسلخانے میں جا پہنچی۔

نفیسہ یہ کباب تو لو نا .....مسز عرفان نے قاب ان کے آگے رکھدی۔''ہاں میں نے تو دو کباب کھا لئے ہیں۔تمہارا خانساماں مچھلی کے کباب بہت لذیذ بناتا ہے!''

خانساماں تو چھٹی پر ہے سیلاب منا رہا ہے آجکل ! شیریں کی زبان رہ نہیں سکی۔بیگم صاحب یہ تو عنبرین باجی نے بنائے ہیں ثوبان نے جلدی سے بتایا۔اچھا! ماشااللہ بڑی لذت ہے بیٹی کے ہاتھ میں ! نفیسہ نے پیار بھری نظروں سے گندمی رنگت کی حامل عنبرین کو دیکھا پھر شیریں پر ان کی نظر جا پڑی۔گوری رنگت نیلی آنکھیں کس پر گئی ہے مسز عرفان ہنسنے لگی یہ کیلی فورنیا کی پیداوار ہے۔ ہر طرف ایسی شکلیں نظر آتی تھیں نا۔

''امی جان پرسوں سے رمضان شروع ہو جائیں گے آج تو چاند نہیں ہوا۔آپ سب کو مبارک ہو رمضان المبارک کی آمد۔'' ندیم مسکراتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''ہاں بیٹے ! پچھلے سال بھی ہم نے روزے بفضلہٖ ساتھ ہی رکھے تھے اب کے بھی اکٹھے ہی انشاء اللہ ہوں گے تم عیدالاضحیٰ کے چوتھے دن کراچی آگئے تھے نا۔''

اچانک مسز عرفان کی نظر گلدان پر پڑی جس میں ثوبان نے دو گلاب اور دو کپاس کے ادھ کھلے ڈوڈے بھی سجا دیئے تھے۔ وہ مسکرائیں اور پُر خیال انداز میں بولیں۔

''بیٹا ندیم! ان پھولوں میں سے تمہیں کونسا پھول پسند ہے؟''

وہ بے ساختہ بول اٹھا''کپاس کا!''شیریں کا قہقہہ جل ترنگ بجا گیا۔''بھلا گلاب اور کپاس کا کیا مقابلہ!''اس کی ہنسی پھر شروع ہو گئی۔''واہ بھئی واہ!''

''میری بہن !''ندیم نے متانت سے کہا۔'' گلاب کی خوش رنگ کیاری اپنے رنگ اور مہک سے مسحور تو کرسکتی ہے لیکن اس پر کانٹوں کا دکھ اور چبھن بھی ہے۔اس کے برعکس کپاس کا کھیت رنگ اور مہک نہ ہونے کے باوجود اپنی ہستی منواتا ہے۔اس کی خوبیاں اس کی قدر کرواتی ہیں، کپاس کا کھیت لوگوں کو لباس مہیا کرتا ہے موسموں کے شدائد سے بچاتا ہے، اوڑھنے بچھانے اور سجانے کے کام آتا ہے، ایک خاموش کارکن کی طرح جو اپنوں بیگانوں کے دُکھ سُکھ میں ہر طور پر کام آتا رہتا ہے۔''

وہ عنبرین کے سانولے سلونے معصوم چہرے پر نظریں جمائے بولتا گیا۔گرمی نگاہ سے گھبرا کر عنبرین نے اسے دیکھا اور نظریں جھکا لیں اس کے رخسار تمتما اٹھے، روشن روشن کالی آنکھوں میں حیا کا نور جگمگا اٹھا۔نفیسہ اور مسز عرفان کی نظریں کب سے ندیم کی نگاہوں کے تعاقب میں تھیں دونوں نے طمانیت بھرا سانس لیا۔وہ مسرت سے سرشار تھیں۔

☆☆☆

سبق

ٹرین میں قدم رکھا..... اف میرے خدایا پوری ٹرین کھچا کھچ لوگوں سے بھری ہوئی تھی۔

منزہ کا دل گھبرانے لگا..... وہ گھر گھسو قسم کی خاتون تھی جو بہت ہی کم گھر سے نکلتی۔ بازار جانا ہوتا تو ہفتوں پہلے گھبراہٹ کا دورہ پڑ جاتا..... شادی بیاہ پر جانا اسے پسند ہی نہ تھا۔ غمی پر جاتی، حاضری لگا کر واپس آ جاتی۔ بچے تھے نہیں بس گھر تھا اور گھر کی مصروفیات۔ اب سگی خالہ نے پیغام بھیج دیا کہ میری کہنی کی ہڈی میں فریکچر ہو گیا ہے اور ان کی اکلوتی بیٹی کی شادی سر پر ہے۔ ہو سکے تو دو چار دن کے لیے آئے اور تیاری کروا دے.....

''ثواب دارین'' حاصل کرنے کے چکروں میں وہ ہاں کر بیٹھی ..... جب جانے کا مرحلہ آیا تو ہاتھ پاؤں پھول گئے..... کس کے ساتھ جائے اور کیسے سفر کرے..... اللہ اللہ کر کے اکیلی نے سفر شروع کیا۔ پہلے تو دو گھنٹے انتظار کی کوفت میں مبتلا رہی پھر ٹرین آئی تو الامان الحفیظ..... کوئی ڈبہ، کوئی سیٹ کوئی برتھ خالی نہیں..... کرے تو کیا کرے۔ چلتے چلتے ایک ڈبے میں پہنچی..... اس کی سیٹیں زیادہ تر بچوں سے فل تھیں۔ ہر سائز، ہر عمر کے بچے..... سال، دو سال، تین سال، چھ ماہ سے پندرہ سولہ سال کے ..... دو تین خواتین ان کے ہمراہ تھیں..... اس نے سلام دعا کے بعد ان سے درخواست کی کہ بچوں کو ذرا سا سمیٹ لیں یا ایک آدھ بچے کو گود میں بٹھا لیں، تھوڑی دیر کی تو بات ہے تھوڑی دیر میں اس کا اسٹیشن آ جائے گا..... ایک خاتون نے تو پلٹ کر جواب ہی نہ دیا جبکہ دوسری بولی۔

''ان سب کی ٹکٹیں لی ہیں، ایسے ہی جگہ دے دیں۔''

''ٹکٹیں تو بی بی سب نے لی ہیں۔'' منزہ نے کہا۔

''ہم نے ان کی بھی خریدی ہیں جن کی عام طور پر دنیا ٹکٹ نہیں لیتی۔'' عورت نے جوابی دعویٰ کیا اور دو سالہ بچے کی طرف اشارہ کیا ..... ان سے بحث کیا کروں۔ منزہ نے کوفت سے سوچا اور ایک طرف ہٹ کر کھڑی ہو گئی۔

''بی بی کیا کریں یہ ایسی ہی ہیں، ہر ایک کو ہری جھنڈی دکھا رہی ہیں، ہمارے بس میں ہو تو آپ کو اپنی گود میں جگہ دے دیں.....'' ایک مرد جو پچھلی سیٹ پر بیٹھا تھا..... چچ چچ ہمدردی کرتے ہوئے بولا۔

منزہ کا دل چاہا جوتا اتارے اور بغیر گنے اس گنجے کے سر پر لگائے..... سوچا کیا فائدہ! اپنا تماشہ خود بنوانے والی بات ہے ..... آنکھوں میں تو چرمرے سے بھر گئے لیکن ہونٹوں کو تالا لگائے وہ سکڑ سمٹ کر بیگ کے اوپر بیٹھ گئی۔

ٹرین رفتار پکڑ چکی تھی..... چھکا چھک چھکا چھک ..... ایک دم اس کے پاؤں کو کسی نے بے دردی سے کچل ڈالا۔

''ہائے میں مر گئی'' منزہ کا درد سے برا حال تھا۔ اس نے مڑ کر دیکھا..... تین چار بچوں کی انگلی پکڑے ایک خاتون باتھ روم جا رہی تھی اپنی لمبی ہیل سے منزہ کے پاؤں پر اپنا پاؤں رکھے.....

درد کی شدت سے منزہ نے اپنی آنکھوں میں آئے آنسو پونچھے ..... پہلے دل چاہا اسے اس کی چٹیا سے پکڑے اور کھینچ کر تھپڑ لگائے اور پوچھے۔ اندھی ہو گئی ہو کیا..... ہیل والا جوتا پہننے کا شوق گھر میں پورا کیا کرو یا آنکھوں پر عینک لگا کر آیا کرو..... بی چھمک چھلو..... خلاف عادت منزہ چپ ہی رہی۔

چند ہی لمحوں میں ٹرین پر رنگ برنگے لوگوں نے دھاوا بول دیا ..... کوئی جوس بیچ رہا تھا کوئی گرم چائے، کسی کے پاس ملتانی سوہن

حلوے کی سوغات تھی اور کسی کے پاس کڑھائی والے کپڑے.....ایک کے پاس کھٹ مٹھے لیموں املی والے آلو چھولے تھے.....منزہ بچپن سے ایسی چیزوں کی رسیا تھی.....اس نے پرس سے دس روپے نکالے اور آلو چھولے والے کو آواز دی۔

''بھائی چنا چاٹ والے.....دس روپے کے دے دو.....''

ایک لمحہ میں کاغذ پر آلو چھولے ڈال کر اس نے منزہ کے ہاتھ میں تھمائے۔منزہ کے پاس سو روپے کا نوٹ تھا اس نے سو روپے اسے تھمائے۔جب وہ ریزگاری اسے تھما رہا تھا تو ٹرین کی رفتار تیز ہوگئی..... وہ اپنی چھابڑی لے کر دوسرے ڈبے میں چلا گیا۔

منزہ نے بقایا پیسے گنے۔دس بیس .....تیس ..... ارے یہ کیا ..... یہ پچاس کا نوٹ تو پھٹا ہوا ہے۔اس نے الٹ پلٹ کر دیکھا وہ نوٹ کسی طور پر بھی مارکیٹ میں نہیں چل سکتا تھا۔آلو چھولے کا مزہ تو ریت کی طرح کرکرا ہو گیا لیکن وہ اٹھی اور چھابڑی والے کو دیکھنے لگی .....اردگرد کے ڈبوں میں کہیں اس کا نام ونشان تک نہ تھا۔

''اللہ ہدایت دے، بے ایمان لوگ.....'' اس نے بڑبڑاتے ہوئے کہا.....اسے اپنے اوپر رہ رہ کر غصہ آ رہا تھا کہ نوٹ پہلے کیوں نہ دیکھ لیے.....پھر اس کے دل نے خود ہی جواب دیا۔

منزہ بی بی تم دیکھ بھی لیتیں تو کیا تھا۔وہ تو چھولے دیتے ہی فرار ہو گیا تھا اس کا مطلب ہے اس نے دانستہ طور پر یہ حرام کام کیا.....

ایسے کیوں ہوا؟ منزہ نے سوچا.....اس کے ساتھ کسی نے غلط نوٹ دے کر دھوکہ بازی کی، جواباً اس نے یہی دھوکہ کسی اور کو دے دیا.....اور پھر یہ توقع رکھے گا کہ لوگ اس کے ساتھ اچھا رویہ رکھیں!!

''باجی یہ مرنڈا پئیں گی؟'' ایک نوعمر لڑکی جو ساتھ سکڑ سمٹ کر اسے جگہ دے چکی تھی بولی۔

منزہ نے انکار کیا ''نہیں بیٹے آپ پی لو.....''

وہ بچی بڑی سادگی سے بولی ''باجی اس میں کوئی ملاوٹ یا دھوکہ نہیں آپ ہم سفر ہیں ناں اس لیے بڑی چاہت سے دے رہی ہوں۔ آپ کو غصہ آیا ہے ناں ٹھنڈا ہو جائے گا.....''

منزہ نے شکریہ ادا کر کے گلاس پکڑ لیا۔مرنڈا واقعی ٹھنڈی ٹھار تھی روح تک ٹھنڈ پڑ گئی۔اس نے دوبارہ اس کا شکریہ ادا کیا۔

''شکریے کی کوئی بات نہیں .....ایسے ہی مل جل کر سفر خوشگوار ہو سکتا ہے۔اس سے محبتیں بڑھتی ہیں۔''

ٹرین آہستہ ہو چکی تھی۔منزہ نے بیگ اٹھایا اور اترنے کو تیار ہو گئی.....اترتے اترتے اس نے سوچا آج کیسا اچھا سبق ملا ہے۔ زندگی بھی تو ایک سفر ہے، اس سفر میں بھی اچھے برے دونوں طرح کے لوگ ملتے ہیں۔اگر برے لوگوں کے رویوں پر اسی طرح چشم پوشی کروں جیسے آج میں نے کی، اچھے لوگوں کے اچھے سلوک پر دلی شکریہ ادا کروں جیسے آج کیا.....تو زندگی کا سارا سفر کتنا حسین اور سبک رفتار ہو جائے۔

پروین عبداللہ۔ریاض

اتنی سی بات تھی

شادی کے بعد کچھ ہدایات، نصیحتیں ہمیں کر دی گئی تھیں تا کہ سسرال نبھانا آسان ہو جائے۔اور یہ حکم بھی صادر فرما دیا گیا تھا کہ کوئی بھی پریشانی یا مسئلہ آئے تو کسی کو اسکے حل کرنے میں شامل نہیں کرنا ہے خاص طور پر ریحانہ بھابھی کو..... کیونکہ اُنکا آپ کے میکے والوں سے رابطہ رہتا ہے۔ میکے بات جاتے ہی بے چینی پھیل جاتی ہے اور پھر مشوروں کا طویل سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ یہ ہدایات میری ساس کی طرف سے نہیں بلکہ شوہر علی صاحب کی طرف سے دی گئی تھیں۔ساری ہدایات میں ایک بات بہت اہم اور خاص کر کے علیحدہ سے یاد کر لینے کے لئے بھی دی گئی تھی اور وہ یہ کہ جیسے ہی میرے کپڑے درزی کے پاس سے سِل کر یا خریداری کر کے آئیں تو آپ کا پہلا کام یہ ہوگا کہ انکے ٹیگ فوراً اُتار دیں اور خوشدلی سے یہ بات بھی شامل کی گئی کہ گھر کے دوسرے مردوں سے ہمارے کپڑوں کو علیحدہ کرنے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ ٹیگ کا نہ ہونا چیک کر لیں (ابھی میں اس گھر میں نئی جو تھی)۔

شادی کے ابتدائی ایام مزے سے تیزی سے گزر گئے ۔ دعوتوں، پکنکوں، سیر و تفریح کے علاوہ سسرال اور میکے کی آؤ بھگت، ناز برداریوں نے سب نصیحتیں اور ہدایات بھلا دیں۔اتنے اطمینان کے دن تھے کہ تصور میں بھی یہ بات نہیں آتی تھی کہ کوئی بدمزگی زندگی میں داخل ہو جائے گی۔انہی خوشگوار دنوں میں ایک دن علی صاحب گھر میں داخل ہوئے اور اپنی بنیان مجھے دیتے ہوئے کہا یہ آپ نے کس کی بنیان میری الماری میں رکھ دی تھی اس پر لگے ٹیگ نے مجھے بہت بے چین کیا۔میں نے شاید ان کی بے چینی کو محسوس نہ کیا اور عام انداز میں ہنستے ہوئے کہا، غلطی سے احسن بھائی کی بنیان آپ کی الماری میں رکھ دی گئی ہوگی سب کے کپڑے ساتھ جو دُھلتے ہیں۔علی صاحب نے میری طرف غور سے دیکھا اور کہا، آج تو غلطی ہو گئی آئندہ نہیں ہونی چاہیے۔میں نے حسب عادت بات سن کر ذہن کے کسی گوشے میں ڈال دی۔دن گذرتے رہے، بات چونکہ اعتماد کی تھی علی صاحب ہر دن الماری سے حسب معمول استری شدہ کپڑے نکالتے اور پہن کر چل دیتے۔

ایک دن علی فجر ادا کر کے گھر میں غصہ کی حالت میں داخل ہوئے اور سفید قمیض میری طرف تقریباً پھینکتے ہوئے کہا، ذرا غور سے دیکھیں کیا یہ میری ہے؟ یہ میری الماری میں کیسے آ گئی؟ میں نے پچھلے واقعے کی طرح ہلکا لیتے ہوئے کہا، احسن بھائی کی ہوگی غلطی سے بھابھی نے رکھ دی ہوگی۔میری بات کا سننا تھا کہ انہوں نے چلاّ کر میری بات دُھراتے ہوئے کہا، بھابھی نے رکھ دی ہوگی؟ آپ ٹھیک تو ہیں، بھابھی آپ کی موجودگی میں میری الماری میں کیا کر رہی تھیں؟ کیا آپ کو میری چیزوں کی فکر نہیں ہوتی؟ میں بارہا بتا چکا ہوں کہ مجھے اس ٹیگ سے انتہائی تکلیف ہوتی ہے میں اس کی چبھن سے کچھ کام کرنے کے قابل نہیں رہتا۔اب میں یہ سمجھتا ہوں کہ آپ کی مجھ سے وابستگی مخلصانہ نہیں ورنہ اب تک آپ میری پسند و ناپسند کو یاد کر چکی ہوتیں اور میرے کاموں کو اولین وقت میں خوشدلی سے ذمہ داری سے انجام دیتیں۔

میں نے دل میں سوچا اتنی معمولی بات پر اتنا غصہ.....چلو غصہ کر کے خود ہی پہلے کی طرح بات بھول جائیں گے۔لیکن یہ میرا وہم تھا۔ٹیگ لگا کپڑا ان کی الماری میں رکھ دینا معمولی بات نہ تھی۔ان کا مسئلہ بن گیا، بات چیت بند کر دی گئی، اپنے کاموں کو تیزی سے خود ہی انجام دیا جانے لگا۔گھر میں داخل ہوتے وقت، آتے جاتے زور سے سلام کرنے کی علی کی ہمیشہ سے عادت تھی اب آواز بالکل مدھم کر دی

گئی ۔ اس سارے ردِعمل نے میری لاپروائی کہیں دور پھینک دی اور میں سوچتی رہتی کہ اب میں کیا کروں، کس سے مشورہ کروں ۔ میکے بات پہنچانے سے منع کیا گیا ہے ۔سسرال میں کسی سے ذکر کروں تو کہیں بات بگڑ نہ جائے ۔بس اللہ سے مدد طلب کرتی رہی اور دُعا کرتی رہی کہ یا اللہ کسی بھی ایسی سوچ یا عمل سے بچا لینا جو بعد میں شرمندگی کا سبب بن جائے ۔

دو دن پہاڑ کی مانند گذر گئے ۔تیسرے دن یہ سوچ کر کہ تین دن سے زیادہ ناراضگی نہیں رہنی چاہیے ہمت مجتمع کی اور ان کے آنے پر کھانا کھا لینے کے بعد ہاتھ ان کے کندھے پر رکھتے ہوئے کہا غلطی ہو گئی آئندہ احتیاط کروں گی، میرا خیال ہے اتنی معمولی بات کی اتنی بڑی سزا ......ابھی میری بات مکمل نہیں ہوئی تھی کہ نہ صرف میرا ہاتھ جھٹک دیا گیا بلکہ منہ بھی دوسری طرف پھیر لیا گیا اور وہ کمرے سے باہر چلے گئے ۔ اب تو میں تنہا تھی اور شیطان میرے ساتھ لگ گیا ساتھی بن کر کچھ مشورے ۔ کچھ یادیں سامنے رکھنے لگا اور میں سوچنے لگی میری اتنی خدمت، محبت اخلاص کا یہ صلہ دیا جا رہا ہے؟ میں ہی ان کی فکر میں بدحال ہوئی جا رہی ہوں مجھے ان کی منتیں کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ بس بہت ہو گیا اب میں بھی خاموشی اختیار کر لیتی ہوں دیکھتی ہوں کیا ہوتا ہے۔

چار دن گذر گئے گھر میں کسی کو ہمارے درمیان ہونے والی ناچاقی کی خبر نہ ہوئی میں بظاہر سوچ رہی تھی کہ مجھے اُن کے بات نہ کرنے یا اُن کے میری طرف متوجہ نہ ہونے سے کیا فرق پڑتا ہے ۔ لیکن دل اسکے برعکس اُداس سا رہنے لگا ۔کاموں میں سے مزہ ختم ہو گیا ۔عجیب سی بے کلی محسوس کرنے لگی ۔علی بھی جو وقت بے وقت گھر آتے تھے انہوں نے گھر آنا کم کر دیا بس رات گئے داخل ہوتے ۔ اب میرے پاس فرصت ہی فرصت تھی ۔اب اس الماری کی طرف توجہ ہوئی جس میں بہت سی کتب میری منتظر تھیں ۔شام کو بڑی بے دلی سے ایک کتاب اُٹھائی ۔ واقعات بہت دلچسپ تھے دل لگ گیا ۔لیکن ایک واقعہ پڑھتے پڑھتے جب یہاں تک پہنچی کہ معمولی بات پر معاملہ اتنا بڑھا کہ بات طلاق ...... میں کچھ سوچ کر کانپ سی گئی کتاب بند کر کے رکھ دی ۔ پھر پرانی ڈائری کے اوراق الٹنے لگی اس میں ایک صفحہ پر نظر پڑی جس میں کچھ نصیحتیں درج تھیں خاص طور پر نظر اس نصیحت پر ٹک گئی کہ ایک خاتون ہر حیثیت میں ماں ہے ۔ ہر مرد چاہے وہ باپ ہو بیٹا ہو بھائی یا شوہر، وہ خاتون سے یہ ہی توقع کرتا ہے کہ وہ ماں کی طرح اُس کا لاڈ کرے اس کی ضروریات پر نگاہ رکھے ، وقت سے قبل ضروریات اسے مہیا کرے، روٹھ جائے تو منائے ۔اچانک مجھے کچھ یاد آیا اور میں تیزی سے علی کی میز کی طرف بڑھ گئی ۔ میز پر پڑی ان کی ڈائری مجھے اپنی بہترین رفیق اور راز دار دکھائی دی ۔ایک بات تو میں آپ کو بتانا بھول گئی کہ یہ علی کی عادت ہے کہ روزانہ ڈائری میں ضرور کچھ نہ کچھ لکھتے ہیں ۔ میں نے کچھ لمحوں کے لئے سوچا اور آج کی تاریخ والا صفحہ کھولا ...... صفحہ خالی تھا ۔یعنی اب یہ رات کو ضرور کھولا جائے گا ۔ میں نے اپنی تمام ہمت کو مجتمع کر کے قلم پکڑا اور لکھا ۔

"دوڑ کر چلو اس راہ پر جو تمہارے رب کی بخشش اور اس جنت کی طرف جاتی ہے جس کی وسعت زمین اور آسمانوں جیسی ہے اور وہ ان متقین کے لئے تیار کی گئی ہے جو ہر حال میں اپنے مال خرچ کرتے ہیں خواہ بدحال ہوں یا خوشحال ، جو غصے کو پی جاتے ہیں اور دوسروں کے قصور معاف کر دیتے ہیں ایسے نیک لوگوں سے اللہ محبت کرتا ہے " (سورہ آل عمران ۱۳۴)

تحریر تو کر دیا لیکن دل لرز رہا تھا ۔لمحہ لمحہ بھاری سا لگ رہا تھا ۔علی دیر سے گھر آئے کھانا کھا کر کمرے میں چلے گئے میں کاموں کو سمیٹ کر کمرے میں داخل ہوئی تو دیکھا کہ وہ اپنی مخصوص جگہ پر بیٹھے ہیں ۔میں بیڈ پر اس طرح بیٹھی کہ میری پشت ان کی طرف ہو ۔یقیناً میں انکے ردِعمل کی منتظر تھی ۔

کافی وقت خاموشی سے گذر گیا پھر مجھے وہ اپنی طرف آتے محسوس ہوئے ۔اب دل نے زور زور سے دھڑکنا شروع کر دیا ۔علی نے اپنا ہاتھ میرے کندھے پر رکھا اور شکریہ کہہ کر کمرے سے چلے گئے ۔معافی ملنے کی خوشی میرے چہرے پر پھیل گئی اور مجھے ایک گونج سنائی دی ۔

"اور اللہ سے ڈرو جس کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے سے اپنا حق مانگتے ہو" ۔ (النساء آیت نمبر ۱)

فرحین اقبال راؤ

احساس

سارہ بہت دیر سے جُز بز ہو رہی تھی۔ بات ہی کچھ ایسی تھی۔ چھوٹے عمیر کے سردیوں کے کپڑے آنے تھے۔ اس نے اپنا پرانا جیولری کا سیٹ تبدیل کروانا تھا۔ اتنے عرصے سے سینڈل لینے کا سوچ رہی تھی مگر ان کا معاملہ بھی لٹکا ہوا تھا۔ جب سے انتظار کر کر کے اب مہینہ شروع ہوتے ہی اس نے نعیم سے فرمائش شروع کر دی۔ مگر ہائے قسمت! اس کی ساری امیدوں پر پانی پھر گیا جب نعیم نے کہہ دیا کہ فی الحال پرانی چیزوں پر قناعت کرو۔ اور اس کی وجہ یہ تھی کہ دیور نے کالج میں داخلہ لیا تھا، اس کی فیس بھی نعیم کی جیب سے جانی تھی۔ نند کے سکول میں کوئی خاص پروگرام آ رہا تھا اس کے لئے بھی خرچہ نعیم نے دینا تھا۔ گھر میں رنگ و روغن ہونا تھا اور وہ بھی نعیم کے سر تھا۔

''ہونہہ..... ساری دنیا کا ٹھیکہ ایک انہوں نے ہی لے رکھا ہے..... یہ نہیں دیکھتے کہ بیوی کے بھی کچھ حقوق ہوتے ہیں..... اور یہ ساس اماں بھی! بس آئے دن اپنے بچوں کے خرچے لئے جاتی ہیں۔''

سارہ بُڑ بڑاتے ہوئے کپڑے سمیٹ رہی تھی۔ ابھی اپنی سوچوں میں ہی اُلجھی ہوئی تھی کہ دھڑ سے دروازہ کھلا اور نعیم آ کر بیڈ پر دراز ہو گیا۔ سارہ نے چنداں پروا نہ کی۔

''خیریت ہے؟ یہ صبح ہی صبح منہ کیوں سُوجا ہوا ہے.....؟'' نعیم نے پوچھا۔

''بس رہنے دیجئے۔ بہت ہو گئی، کچھ اپنے بچوں کا بھی خیال کر لیں ہر وقت اپنے بہن بھائیوں کو ہی خرچہ دیئے جاتے ہیں اور مجھے انکار کر دیتے ہیں۔''

''تو تمہارا کیا مطلب ہے ..... ان کی تعلیم بیچ میں چھوڑ دوں..... میں ہی بڑا ہوں اور میں ان کی ضروریات نہیں پوری کروں گا تو اور کون کرے گا۔''

''یہ کوئی آج کی بات نہیں ..... روز کا مسئلہ ہے! بس میرا بھی فیصلہ سُن لیجئے میرے سے اتنے تنگ خرچے میں گزارا نہیں ہوتا اور نہ ہی اس ایک کمرے میں رہا جاتا ہے..... مجھے الگ گھر چاہئے۔'' سارہ نے کھری کھری سنا دیں۔''

نعیم ہکا، بکا رہ گیا ''تم ہوش میں ہو؟ امی جان اور باقیوں کا کیا ہوگا؟ اور میری جیب اتنی اجازت نہیں دیتی کہ الگ گھر لے کر دوں۔'' نعیم نے غصے سے جواب دیا۔

اماں بی کے کانوں میں بھی سارہ اور نعیم کے جھگڑے کی آواز پہنچ گئی وہ ٹھٹھک کر رہ گئیں۔ ''تین بچوں کو بیوگی میں پالا اور جب بڑا بیٹا خود کفیل ہو گیا تو.....!''

نعیم کمرے سے نکلا تو اس کا موڈ سخت آف تھا۔ وہ اماں کو اس سے بے خبر رکھنا چاہتا تھا مگر سارہ نے بھی شاید عزم صمیم کر لیا تھا۔ اسی دن دوپہر کو فون کر کے اس نے اپنے چھوٹے بھائی کو بلوایا اور عمیر کو لیکر چلدی۔ جاتے ہوئے کہہ گئی کہ جب نیا گھر لے لیں تو مجھے لے جایئے گا، میں اس تنگ سی کوٹھڑی میں نہیں رہ سکتی۔ اماں کا دل ٹوٹ گیا خرچے کے جھگڑے تو چلتے رہتے تھے اور نعیم صرف اکیلا کماتا تھا اس وجہ سے تنگی بھی آ جاتی تھی مگر سارہ کو ہر طرح کا آرام مہیا تھا۔ جب سیر کی خواہش کرتی گھمانے بھی لے جاتا، شاپنگ کا ارادہ کرتی تو کروا دیتا۔ بس اللّے تللّے نہیں کروائے جاتے تھے اور شاید سارہ یہی بات برداشت نہ کرتی۔

☆.....☆.....☆

سارہ اپنے میکے میں آئی تو حیران سی رہ گئی ..... چھوٹے بھائی کی شادی کو ابھی تین مہینے ہی ہوئے تھے۔ یہ تو سُنا اس نے بھی تھا کہ اس کی بھابھی کپڑے بنانے کی بہت شوقین ہے مگر اتنا معلوم نہ تھا جیسا کہ خود دیکھنے سے تجربہ ہوا۔

اس کی بھابھی نائلہ بڑے ذوق وشوق سے اسے اپنے سوٹ دکھا رہی تھی۔ ایک سے بڑھ کر ایک ڈیزائننگ، لیسوں سے لدے پھندے، غرض ہر فیشن، ہر رنگ کے سوٹ اس کے پاس جمع تھے۔ بلکہ سارہ کے سامنے بھی بھابھی بازار سے مزید تین جوڑے لے کر آئی۔

شام کے کھانے کے بعد سارہ امی کے کمرے میں لیٹ گئی۔ امی نے بڑی پریشانی سے کہا۔ ''سارہ! میں کیا کروں..... یہ نائلہ تو ہر تیسرے دن بازار جاتی ہے اور ہزاروں کی شاپنگ کر ڈالتی ہے۔ گھر کے کام پورے نہیں ہوتے مگر اس کے سوٹ ضرور بننے ہوتے ہیں۔ ایک ہی تو بیٹا ہے اور اس کی ساری تنخواہ یونہی چلی جاتی ہے۔ کون سمجھائے نائلہ کو؟'' امی بہت متفکر تھیں کیونکہ چھوٹی بہن سلمٰی کا ابھی جہیز تیار کرنا تھا مگر لگتا تھا کہ پیسے رُکتے ہی نہیں۔

''امی آپ فکر نہ کریں میں بھائی سے بات کروں گی کہ وہ نائلہ کو سمجھائیں۔ ورنہ میں خود اسے سمجھاؤں گی'' سارہ نے تو یہ کہہ کر امی کو تسلی دے دی مگر خود اس کے دل میں ہلچل مچ گئی۔

''میں بھی تو نعیم کے ساتھ یہ سلوک روا رکھتی ہوں۔ اس کی والدہ پر کیا بیتتی ہوگی اور اب جبکہ میرا یہ مطالبہ ہے تو.....'' اس سے مزید سوچا نہ گیا۔ ایک احساس نے اس کی آنکھوں کے پردے ہٹا دیئے تھے۔

☆.....☆.....☆

''ہیلو نعیم..... میں سارہ بات کر رہی ہوں۔ آپ شام کو آیئے گا کھانا ہے امی کی طرف..... پھر میں آپ کے ساتھ واپس آجاؤں گی۔''

نعیم حیران بھی تھا اور شکر گزار بھی کہ اس کا گھر کسی بڑی جنگ سے بچ گیا۔

☆☆☆

بشریٰ تسنیم

بارش کے بعد

باندھ کر ٹماٹر کے رس میں ڈال دیں اور ساتھ ہی چالیس گرام چینی صاف کر کے اس میں ڈال کر پکانا شروع کریں جب محلول کافی گاڑھا ہو جائے تو مصالحہ جات کی پوٹلی نکال دیں اور اس میں سرکہ، نمک اور بقایا چینی ملا دیں اور اس کو اتنا پکائیں کہ تمام محلول کا چوتھا حصہ باقی رہ جائے ہر ۵ کلو گرام چینی میں ۵ گرام سوڈیم بینزو ویٹ تھوڑی سی چینی میں حل کر کے تمام بوتلوں میں بھر کر بوتلوں کو ٹھنڈی اور خشک جگہ پر سٹور کریں

احتیاطیں:

☆ کسی بھی قسم کی چٹنی بنانے کے لئے ہمیشہ اسٹین لیس سٹیل کے برتن استعمال کریں۔

☆ چٹنی کو محفوظ کرنے کے لئے جو برتن یا جار استعمال کئے جاتے ہیں ان کو ابلتے ہوئے پانی میں ۳ سے ۴ منٹ کے لئے رکھیں بعد ازاں برتنوں کو اچھی طرح خشک کریں، چٹنی ٹھنڈی کر کے جار میں بھریں۔☆

گلابی جاڑے کی آمد آمد تھی۔ شام کو ہلکی سی ٹھنڈک محسوس ہوتی، مگر دن میں گرمی کا احساس غالب رہتا، سبک سی ہوائیں گرمی کو الوداع کہنے آتیں مگر کچھ پیش نہ چلتی۔ ایک دن ان نرم نرم سی ہواؤں نے آندھی سے ایکا کر لیا..... پھر تند و تیز ہوا کا طوفان، درختوں، کمزور چھتوں، سڑک کے سائن بورڈز کو اکھاڑنے کے در پے ہو گیا شہر کا سارا انتظام بھربھری ہوا نے اپنے ہاتھ میں لے لیا، سہ پہر کو ہی بازار، گلیاں سنسان ہو گئے ..... بجلی دَم سادھے حسب معمول کسی کونے کھدرے میں جا چھپی۔ سائیں، سائیں کرتی ہوائیں درختوں کی شاخوں کو اِدھر اُدھر پٹخ رہی تھیں۔ مٹی کا طوفان بگولوں کی شکل میں در بدر پھر رہا تھا۔ اس شہر خاکی میں آندھی اور گرد و غبار کا کوئی موسم نہیں، ہر وقت، وقت غبار ہے۔

عصر کی نماز سے فارغ ہو کر نمازی بمشکل اپنے گھروں کو پہنچے ..... جہاں دروازوں اور کھڑکیوں کے پٹ بے قابو ہو کر سینہ کوبی کر رہے تھے۔ صحن اور برآمدے درختوں کے پتوں سے اٹ گئے۔ مٹی اور دھول نے صحن اداس کر دیئے۔ گلیوں میں جگہ جگہ پلاسٹک کے بیگ اپنی بے بسی پہ ماتم کناں اڑتے پھر رہے تھے۔ ذرا سی دیر میں سارے منظر دھندلا گئے۔ چھتوں اور صحنوں سے بچوں، عورتوں کی ملی جلی آوازیں عجیب سی لگ رہی تھیں۔ ہوا جس سمت کا رخ کرتی اُدھوری سی آوازیں اُدھر ہی مسافر ہو جاتیں۔

مسجد سے نکل کر عابد حسین اپنی پھولتی سانسوں اور ڈگمگاتے قدموں کے ساتھ گھر کے دروازے تک پہنچے ہی تھے کہ بارش کا پہلا قطرہ ان کے گال پر پڑا..... صدر دروازے سے صحن عبور کرنے اور برآمدے تک پہنچنے میں جتنی دیر لگی، اتنے میں وہ بارش سے اچھا خاصا بھیگ چکے تھے۔ نفیسہ بیگم نے ٹی وی لاؤنج میں داخل ہوتے عابد حسین کو دیکھا تو نماز کی چوکی سے اٹھنے کی کوشش کی، مگر اب اتنی سکت نہ تھی کہ لپک جھپک کر شوہر کا استقبال کرتیں۔ لاؤنج سے ملحق باورچی خانے میں کام کرتے راشد نے عابد حسین کو سہارا دے کر غسل خانہ پہنچایا اور کپڑوں کا نیا جوڑا لا کر دیا۔

باہر بارش تیز سے تیز تر ہوتی جا رہی تھی۔ ساتھ ہواؤں کے جھکڑ بارش کی بوچھاڑ کا رُخ بدل رہے تھے۔ لاؤنج میں بیٹھی نفیسہ بیگم کو یکدم اپنی ٹانگوں میں ٹھنک کا احساس ہونے لگا۔ نماز کی چوکی پہ بیٹھے بیٹھے انہوں نے جائے نماز ہی اپنی ٹانگوں پہ ڈال لی۔ عابد حسین لباس تبدیل کر کے آئے تو راشد کو چائے کا کہا۔ ایمرجنسی لائٹ کی روشنی

میں کمرے کی ہر چیز واضح تھی۔لیکن برآمدے اور گھر کے دوسرے کمروں میں اندھیرا تھا۔ باورچی خانہ میں راشد نے بڑے سائز کی موم بتی جلا رکھی تھی۔

نفیسہ بیگم نے اپنی نماز کی چادر کو اپنے گرد مزید اچھی طرح لپیٹتے ہوئے سوچا، ہماری زندگی میں اتنی ہی روشنی ہے جہاں ہم بیٹھے ہیں .....آگے، پیچھے تو اندھیرا ہی ہے.....نفیسہ بیگم کو خود کبھی یہ بات سمجھ میں نہ آئی کہ بارش کا موسم ان کو اداس اور مایوس سا کیوں کر دیتا ہے۔دن کے وقت بارش ان کے اعصاب کو مردہ سا کیوں کر دیتی ہے۔شاید دن کی روشنی وقت سے پہلے ختم ہو جانے کا کوئی نفسیاتی اثر ہو.....اس وقت بھی وہ اپنے آپ کو بہت تنہا محسوس کرنے لگیں۔ چار بیٹوں کی ماں ہونے کے باوجود ان کو اپنی کوکھ خالی سی لگنے لگی.....اور دل بھر آیا، آنکھیں بھیگنے لگیں۔

''راشد گیٹ کو تالا لگا دو''

نفیسہ بیگم کی محویت اپنے شوہر کی آواز پہ ٹوٹ گئی جو قمیض کے بٹن بند کرتے ہوئے انہی کی طرف آ رہے تھے۔

نفیسہ بیگم نے ان کے لئے جگہ بنانے کو ٹانگیں سکیڑ لیں۔

''کیا سوچ رہی ہو بیگم''؟

ہلکے آسمانی رنگ کے قیمتی سوٹ اور گہرے براؤن بالوں والی باوقار سی نفیسہ بیگم کو اسی سوال کی توقع تھی۔

''کچھ نہیں''

عابد حسین کو حسب عادت جواب ملا۔

''چلو تم کہتی ہو تو مان لیتا ہوں''

انہوں نے صلح جو لہجہ میں کہا۔ ان کو بخوبی معلوم تھا کہ وہ کیا سوچ رہی ہیں اور اس موسم میں ان کی کیفیت کیسی ہو جاتی ہے۔

''وہ شکیلہ لوٹ کے ہی نہیں آئی گاؤں سے، راشد بتا رہا تھا دو ہفتے بعد آئے گی، تمہیں تو بہت مشکل ہو گی''۔ وہ اپنی بیوی کی توجہ ان کی سوچوں سے ہٹانا چاہتے تھے۔

''کوئی بات نہیں، آ جائے گی''۔

باورچی خانے سے برتنوں کے اٹھا پٹخ کی آوازیں آ رہی تھیں۔بجلی کے کڑکنے، بارش کے شور اور نیم اندھیرے نے ماحول کو اور بھی پراسرار سا بنا دیا تھا۔انسانی آوازیں عجیب نامانوس سی لگ رہی تھیں۔

دونوں میاں بیوی نماز کی چوکی پر خاموش بیٹھے ہوئے تھے مگر شاہراہ حیات پر دونوں کو ساتھ ساتھ چلتے ایک عرصہ ہو گیا تھا۔اس چالیس سال کے طویل عرصہ میں سے تیس سال ایک گہما گہمی تھی، رونق اور امنگوں بھری زندگی تھی۔ دونوں نے چار بیٹوں کو اپنی جوانی کے سنہرے دن دے کر، خون پسینے کی کمائی کھلا کر، اپنی آرزوؤں کی پوٹلیوں کے منہ سی کر تعلیم و ترقی کی راہوں پر سبک رفتاری سے چلنے کے قابل بنایا۔کامیاب اولاد کے والدین کہلانے کی خاطر ان کو یورپ امریکہ کی شہریت حاصل کرنے، ڈالر، پاؤنڈ کمانے کا شوق دلایا۔تلقین کی، راستے سُجھائے، ہمت بندھائی اور آج ایک دنیا ان کی قسمت پہ رشک کرتی ہے۔ان کے بیٹوں نے کبھی والدین کو مایوس نہ کیا۔ جو خاکے بچوں کے مستقبل کے بنائے انہوں نے اس میں بخوبی رنگ بھرے۔ تعلیمی میدان ہو یا معاشی میدان جو دونوں نے چاہا سو پایا۔لائق، مہذب کامیاب بیٹوں کے والدین کو اب نہ جانے کیا احساس محرومی تھا کہ اندر سے خالی پن کا احساس کم ہی نہ ہوتا تھا۔

''بیگم! راشد کا دل پکوڑے کھانے کو چاہ رہا ہے، دیکھو، موسم کا لطف لے رہا ہے۔خوشبو آ رہی ہے نا! عابد حسین نے لمبا سانس لے کر بچوں کی سی سرخوشی کا اظہار کیا۔

نفیسہ بیگم کو اپنے شوہر کی اس ادا پہ ہنسی آ ہی گئی۔مگر اس کے اثرات دیرپا نہ ہو سکے۔سوچ کا غلبہ پھر ہونے لگا۔انسان کیوں بھول جاتا ہے اس آنے والے وقت کو جب اعصاب ساتھ نہیں دیتے اور ہمت و قوت کہیں کھو جاتی ہے.....مستقبل کے سارے منصوبے یوں بنتیہیں جیسے یہ قوت و طاقت ہمیشہ رہے گی.....آج ان چار بیٹوں کی کمائی سے دونوں قابل رشک زندگی گزار رہے ہیں جو سرمایہ انہوں نے اپنے بیٹوں پہ لگایا تھا اس کا جواباً نفع ان کی توقعات سے کہیں

بڑھ کر مل رہا تھا۔مگر پھر بھی دونوں ماضی کی راہوں میں اکثر بھٹک جاتے تھے جیسے کہیں شروع میں ہی راہیں کھوٹی ہوگئی تھیں۔

بارش کبھی کم ہو جاتی ،لیکن پھر تیز بوچھاڑ کے ساتھ نئے سرے سے شروع ہو جاتی۔چھتوں سے گرتا ہوا پانی پرنالوں کی شکل میں الگ شور کرنے لگا تھا۔بجلی کی کڑک وقفے وقفے سے جاری تھی..... باورچی خانے سے آنے والی پکوڑوں کی خوشبو سے سارا گھر مہک اٹھا تھا۔ راشد اور شکیلہ اس گھر کے نوکر کم اور لاڈلے بچے زیادہ لگتے تھے کچھ دن پہلے ہی راشد کی بیوی میکے گئی تھی..... چند مہینے پہلے راشد کی شادی ،نفیسہ بیگم نے ہی کرائی تھی۔ بہت خدمت گزار، فرمانبردار، مہذب لڑکی ان کو شاید کسی نیکی کے صلہ میں مل گئی تھی۔اپنی بہو، بیٹی بھی اتنی محبت ،خلوص اور توجہ سے ان کی دلجوئی نہ کر سکتی۔ماحول کی اداسی کے اثرات بھی دور ہونے لگے.....انہوں نے راشد کو چائے کی ٹرے اٹھا کر لاتے دیکھا تو آہستہ سے اپنے پاؤں چوکی سے نیچے لٹکائے۔عابد حسین نے بھی ساتھ ہی اٹھنے کا ارادہ کیا۔دونوں لاؤنج میں پڑے صوفے پہ بیٹھ گئے۔درمیانی میز پر راشد نے چائے کی ٹرے رکھی۔ ساتھ بسکٹ اور پکوڑے بھی تھے۔

''بابا جان! آج پکوڑے ہو جائیں''۔

راشد نے ہنسی سے بھرپور آواز میں نعرہ لگایا۔

''ابی! سب جانتا ہوں ،تمہارا اپنا دل چاہ رہا تھا پکوڑے کھانے کو، ہمارا تو بس نام ہے''۔

راشد نے کھسیانا سا ہو کر سر کھجایا اور باورچی خانے کی طرف بھاگا۔

عابد حسین نے دو کپ میں چائے انڈیلی اور چائے دانی کو ایک طرف رکھ دیا،نفیسہ بیگم نے پلیٹ میں بسکٹ اور پکوڑا رکھا اور صوفے سے ٹیک لگالی۔آہستہ آہستہ بسکٹ کترتے ہوئے عابد حسین نے نفیسہ بیگم کو دیکھا۔وہ پہلے سے کچھ بہتر موڈ میں لگ رہی تھیں۔

''بارش تھمنے کے بعد تو راستوں کے حالات اور بھی خراب ہو جاتے ہیں''عابد حسین نے بات برائے بات کی۔

''ہاں''نفیسہ بیگم نے ہولے سے کہا اور چائے کا کپ منہ کو لگا لیا۔

تیز بارش بجلی کی کڑک اور ہواؤں کا شور پھر ماحول پہ غالب آنے لگا۔

جس گھر میں عابد حسین اس وقت رہائش پذیر تھے وہ ان کے والد کے ہاتھوں کا بنایا ہوا تھا۔وارثت کی تقسیم میں یہ مکان ان کے نام ہوا تھا۔بچپن ،لڑکپن اور جوانی کی بے شمار یادیں اس گھر اور محلّہ سے وابستہ تھیں۔ان کی بیگم کا میکہ بھی اس گھر سے چند قدم کے فاصلے پر تھا جہاں اب ان کے بھائی کے بال بچے رہتے تھے۔دونوں کا ماضی اسی فضا سے جڑا ہوا تھا.....مختلف شہروں میں بیٹوں کی بنائی ہوئی کوٹھیاں کرائے پر دے کر دونوں اپنے بچپن میں لوٹ آئے۔بڑھاپا بھی ایک طرح کا بچپن ہی ہوتا ہے.....ابھی رنجیدہ ہیں تو ابھی خوش..... ماضی کے سارے واقعات ایک کھلونا ہی بن جاتے ہیں۔کبھی غم کو یاد کر کے روئے اور کبھی خوشی کو یاد کر کے ہنس دیئے۔تنہائی میں یہ''کھلونے'' کتنا ساتھ دیتے ہیں! دونوں میاں بیوی ایک کمرے میں بیٹھے ہوئے اپنے اپنے''کھلونوں'' سے کھیل رہے تھے۔

نفیسہ بیگم کی بچپن کی ساری سہیلیاں جانے کہاں کن حالوں میں تھیں۔اکلوتے بھائی اللہ کو پیارے ہو گئے۔بھابھی معذور ہو کر بستر سے لگ گئیں۔ان کی بیٹیاں دوسرے شہروں میں تھیں۔بھائی کی دو بہوئیں اسی گھر میں تھیں جو کبھی نفیسہ بیگم کے بابل کا گھر تھا،ان کا میکہ تھا۔بابل کا خیال آتے ہی دل میں ہوک سی اٹھی اور نفیسہ بیگم نے سرد آہ بھری.....وہ گھر اب میرا نہیں، میری ماں کا نہیں تو میرا کیسے ہوگا! چلو غنیمت ہے انہوں نے خود کو تسلی دی کہ رشتہ داری کا ناطہ قائم ہے۔ مرنے پر اپنے جمع تو ہو جائیں گے۔اپنوں میں مرنے کا خیال ہی ان دونوں کو وطن چھوڑنے کے خیال سے گریزاں رکھتا تھا..... اپنے مرنے اور اولادوں کی دوری کے خیال سے ان کا سینہ گھٹنے لگا اور چائے کی پیالی واپس رکھ دی۔

ان کے بچے نافرمان نہیں تھے پھر بھی کچھ کہاں، کیا غلط تھا وہ

سوچتی رہ جاتیں کہ اپنے دل کی گرہ کہاں کھولیں؟ کس کے پاس جا کر کھولیں؟ کیا ہم نے بچوں کو اپنے قرب کا وہ احساس زندہ کر کے دکھایا جو دل سے جڑا ہوتا ہے؟ بیٹیوں نے تو ہر حال میں والدین سے جُدا ہو کر دور جانا ہوتا ہے ۔مگر بیٹے .....لیکن کیا قصور ہے بیٹوں کا ..... حقیت پسند بننے کی تلقین کے ساتھ حالات کو اپنے قابو میں کرنے کا گُر تو ہم نے ہی سکھایا..... دنیا ایک گاؤں بن گئی ہے ۔مگر کیسا گاؤں ہے کہ قرب میں دوری کے سارے راز مضمر ہیں ۔رابطوں کے نت نئے طریقوں نے ، جدید آلات نے احساسِ مروت کو کچل کر رکھ دیا ہے ۔ رابطے صرف لفظوں اور تصویروں کے نہیں ہوتے جذبات اور قرب کے بھی ہوتے ہیں ۔ ہر وقت رابطے میں رہنے کا ایک روحانی نقصان تو کسی نے سوچا ہی نہیں ..... وہ رابطہ جو ماں اپنے رب کے واسطے سے رکھتی تھی اولاد کے ساتھ وہ کتنا کمزور ہو گیا ہے۔نفیسہ بیگم نے اس کمی کو بہت دیر بعد محسوس کیا جب ہر بچے کے نام کی'' آیت الکرسی'' اور'' یاحفیظُ'' کا ورد چھوٹ گیا ۔ وہی وقت اپنے بچوں کے ساتھ انٹرنیٹ کے ذریعے رابطے میں گزار کر شانت ہو جاتیں اور اطمینان محسوس کرتیں .....لیکن جب اس محرومی کا ادراک ہوا تو ان کو نا قابلِ بیان خلش کا سامنا کرنا پڑا اور یہ خلش ہنوز باقی ہے کہ وقت کا حساب ایسا آن پڑتا ہے کہ جو اپنے رب سے مناجات کا وقت ہوتا ہے وہی وقت بچوں کے جاگنے اور فرصت کا ہوتا ہے .....صبح و شام بھی ایک ساتھ نہیں کر سکتے جانے یہ کیسا'' گلوبل ولیج'' ہے!! وہ اکتاہٹ کا شکار ہو جاتیں۔

ماضی کے دریا پہ سوچوں کی لہریں سبک رفتاری سے اٹھکیلیاں کرنے لگتی ہیں تو انسان اُسی پانی میں پاؤں لٹکا کر آسودہ ہونے لگتا ہے ۔ ماضی کی یادیں عذاب بھی ہوں تو یہ تصور دل خوش کن ہوتا ہے کہ وہ عذاب گزر چکا ہے اور خوشی جو نصیب میں ملی اس کو کوئی چھین نہیں سکتا۔

ایکسائز آفس میں اعلیٰ عہدے پہ زندگی کے تیس سال گزارنے والے عابد حسین بہت سی ان کہی کہانیوں کے راز داں تھے ۔ وہ خود بھی کوئی'' اخلاق عالیہ'' کے دعوے دار نہ تھے ۔ دنیاوی وسائل اور مواقع کو 'محتاط' طریقوں کے ساتھ نبھایا.....گزشتہ صالح نسل کے اثرات تھے کہ نماز پنجگانہ اور صبح سویرے تلاوت قرآن پاک کو بھی زندگی سے نہ جانے دیا.....مگر شادی کے پہلے دس سالوں میں چار بیٹوں کے والدین بن جانے کے بعد اگلے بیس سال ان کے شاندار اور جاندار مستقبل بنانے میں کھپا دیئے ۔مگر گزشتہ صالح تربیت اگلی نسل تک منتقل ہوئے صرف دنیاوی اخلاق تک رہ گئی کون جانے اب یہ آگے کیا دینے والے ہیں اپنے بچوں کو! نسل در نسل ،ارادے ،منصوبے، جذبات ، دوست احباب، رشتہ داریاں منتقل ہوتی رہتی ہیں۔

مغرب کا وقت ہو چکا تھا۔بجلی نہ ہونے کی وجہ سے اذان کی آواز نہ آئی ۔ گھڑی دیکھ کر دونوں نماز کی تیاری میں لگ گئے ۔راشد رات کے کھانے کی تیاری میں مگن تھا۔ عابد حسین نے راشد کو نماز کی تلقین کی اور خود نماز کے لئے کھڑے ہو گئے ۔نماز کے بعد نفیسہ بیگم اپنے کمرے میں ہی بستر میں بیٹھی شام کے وظائف میں مصروف تھیں۔ان کے شوہر نے صوفے پر بیٹھ کر ہی تسبیح کے دانے گھمانے شروع کر دیئے ۔ ہر دانہ فکر و شعور کے ساتھ ذکر الٰہی کا گواہ بن رہا تھا۔ یہ فکر و شعور کی نعمت ان کو پندرہ سال پہلے ایسے ہی بارش والے دن نصیب ہوئی تھی۔

آنکھیں موندے وہ اس دن کو یاد کر رہے تھے ۔اللہ تعالیٰ کی شان نرالی ہے.....رات سے دن، دن سے رات، مردہ سے زندہ نکالتا ہے ۔ پتھر سے پانی کے چشمے نکالنے پر قادر ہے، اس کے فیصلے اٹل ہیں ۔ ہر فیصلہ حکمت پر مبنی ہے.....واقعات و حالات کی ترتیب انسان کے بس سے باہر ہے۔

بجلی کے آجانے سے ان کی سوچوں میں تعطل آ گیا۔ادھر بارش رک گئی تھی اور لاؤنج میں ہلکا سا حبس محسوس ہونے لگا تھا۔ راشد نے کھڑکیاں کھول دیں تو فرحت بخش ہوا کا جھونکا کمرے میں تازگی کی لہر دوڑا گیا ۔ٹی وی آن ہونے سے بھی کمرے میں انسانی آوازوں کی چہل پہل ہو گئی۔

ابھی رات کا کھانا میز پر چُنا جا رہا تھا کہ عابد حسین کے سیل فون کی بیپ نے ان کو متوجہ کیا.....'' جاذب'' کا نام سکرین پر جگمگا رہا تھا۔

عابد حسین کی روح تک جھوم اٹھی۔ان کو شاید اسی کا انتظار تھا اور شاید اس کی بہت ضرورت بھی تھی ''السلام علیکم'' کی آواز میں دلی خوشی کا ارتعاش شامل تھا مختصر سی گفتگو کے بعد سیل فون بند کر دیا گیا۔

''راشد! میرا یار بھی آ رہا ہے کھانے پر.....بس کچھ دیر میں آتا ہی ہوگا۔نفیسہ ! جاذب آ رہا ہے رات یہی رکے گا'' ۔ انہوں نے کمرے کی طرف منہ کر کے ذرا بلند آواز میں اطلاع دی۔نفیسہ بیگم نے بھی خوشی کا اظہار کیا اور دل میں اطمینان محسوس کیا کہ اب میاں کا وقت ان کے ساتھ گپ شپ میں اچھا گزر جائے گا۔

جاذب قریشی اور عابد حسین کا یارانہ بہت پرانا تھا۔گزشتہ کئی سال سے وہ بیرون ملک رہائش پذیر تھا اور ہر سال پاکستان آنے پر عابد حسین سے ضرور ملاقات ہوتی تھی۔

''راشد بیٹا کوئی خاص پکوان بنا لو، ارے میٹھا تو وہ کھائے گا نہیں ذیابطیس کا مریض ہے'' ۔

''بابا جان! آپکو چکن تکہ کھلاتا ہوں'' ۔

''ارے واہ! تم تو بہت ہوشیار ہو'' ۔

انہوں نے اُسے شاباش دی ۔''بس نمک اپنی مرضی کا نہ ڈالنا ۔میری ضرورت کے مطابق ڈالنا'' ۔

''جی بہتر''

عابد حسین نے لاؤنج سے باہر نکل کر برآمدے سے فضا اور حالات کا جائزہ لیا۔اندھیرے میں آسمان تو نظر نہ آ رہا تھا۔ ہلکے بلب کی مدھم روشنی میں صحن دُھلا دُھلا لگ رہا تھا۔ چھوٹے سے لان میں پانی بھرا ہوا تھا۔ پتوں سے پانی ٹپکنے کی آوازیں بھلی لگ رہی تھیں۔ گملوں کے پودے سخت بارش کی مار کھا کر جیسے تھکے تھکے سے لگ رہے تھے۔ برآمدے میں کیچڑ ہو رہا تھا۔مجموعی طور پر فضا میں خنکی اور تازگی کا احساس نمایاں تھا۔انہوں نے لمبی لمبی سانس لے کر اپنے اندر اس تازگی کو اتارا۔

ماضی کی پگ ڈنڈی پر سوچوں کو رواں رکھنے سے وہ نہ روک سکے .....موسم ، بارش،خوشبو کے ساتھ سوچوں کا رشتہ ایسا جڑا ہوتا ہے کہ انسان ہلکے سے احساس سے اسی دور میں پہنچ جاتا ہے۔وہ بارش کا دن جو ابھی ان کو یاد آ رہا تھا۔وہ یادیں جس کے ساتھ باطنی کیفیت جڑی تھی۔ انہوں نے سوچا وہ روشنی کی کرن کہاں سے آئی ؟ وہ کسی کی دُعا بھی ہوسکتی ہے ان کی اپنی کوئی نیکی یا ماں باپ کی نیک کمائی خلوص ومحبت اور تربیت کا نتیجہ..... سالوں گھپ اندھیرے میں چھپی نورانی سوچ ..... ایک دن کے ایک پہر میں چند گھنٹوں..... بلکہ گھنٹے کے کچھ حصے میں کسی کے چند جملوں سے ابھر کر باہر آ گئی۔من میں ایسی ہلچل مچائی کہ وہ ایک جذبے کے اسیر ہو کر رہ گئے ۔ وہی جذبہ ان کے ایمان کو تپش دیتا اور گزرے وقت کے بارے میں خلش کا سامان کرتا رہتا ہے۔کبھی بھول بھی جاتے مگر موسم ،خوشبو، رنگوں سے جڑی یادیں اور احساسات ان کرنوں کی طرح ہوتے ہیں جو بند روشن دان کی ننھی سی درز سے اپنے موجود ہونے کا یقین دلانے لگتے ہیں۔

اُس دن طوفانی بارش میں دفتر سے گھر تک پہنچنا اک کارے دارد تھا۔دفتر سے نکلتے وقت اندازہ نہ تھا کہ بارش اس قدر جلدی اتنی تیز ہو جائے گی راستے میں ہی گاڑی خراب ہوگئی۔ جاذب کا ملنا بھی ان واقعات میں سے تھا جن پر انسان کا کوئی اختیار نہیں ہوتا۔اپنی گاڑی وہیں چھوڑ کر وہ جاذب کے ساتھ چل پڑے جس نے مدد کی پیش کش کی تھی.....جاذب نے بتایا وہ پریس کلب جا رہا ہے جہاں فاروق فارانی صاحب کا لیکچر ہے مجبوراً ان کو بھی ساتھ جانا پڑا۔

پریس کلب کی عمارت کے اندر لوگ کافی تعداد میں داخل ہو رہے تھے..... گیلے جوتوں نچڑتے کپڑوں کے نشان دم بدم فرش کو گیلا کر رہے تھے ۔آج برآمدے میں کھڑے عابد حسین نے ان چہروں کو سوچا تو ایک آہ سی سینے سے نکلی۔ دوستوں کے حلقے سے ایک ایک کر کے اپنی باری کے اسٹیشن آنے پر زندگی کی گاڑی سے اترتے جا رہے ہیں۔کون۔کہاں کب کس کو چھوڑ جائے گا کوئی نہیں جانتا.....گزشتہ زندگی کو سوچنے لگو تو ساری عمر ایسے گزر جاتی ہے جیسے برآمدے میں کوئی ایک چکر یہاں سے وہاں لگا لے واقعی گزرا وقت تھوڑا اور گزرتا ہوا وقت طویل لگتا ہے۔انہوں نے خود کلامی کی۔ان کو محسوس ہوا وہ جاذب

قریشی کا بہت دیر سے انتظار کر رہے ہیں ان کو وہ دن پھر سے یاد کی تختی پر نمایاں نظر آنے لگا جب جاذب ان کو بغیر انتظار کے مل گیا تھا۔

پریس کلب میں افراتفری، آوازیں، لوگوں کی چلت پھرت جاری وساری تھی..... ہال کے اندر سب کا داخلہ ہلکی سی چیکنگ کے بعد ہو رہا تھا..... دونوں نے جا کر کرسیوں پر خود کو گرا دیا۔ عجیب بھیگا بھیگا سا ماحول تھا۔ پنکھوں کی ہوا گیلے کپڑوں پہ جھرجھری سی لا رہی تھی۔ عابد حسین آئے نہیں لائے گئے تھے، مجبوراً آنا پڑا تھا، ان کو اس ماحول سے کوئی انسیت محسوس نہ ہو رہی تھی۔

''فاروق فارانی'' کا تعارف انہوں نے بے دلی اور دھیان دیئے بغیر سنا۔ لیکچر علامہ اقبال کے فکر و فلسفہ پر تھا۔ ہال میں لوگوں کی آوازیں آہستہ آہستہ کم ہونے لگیں اور پھر ''سوئی گرنے کی آواز'' والی کیفیت میں فاروق فارانی کی آواز نے سب کے دھیان، دماغ اور دل بھی اپنے سحر میں جکڑ لئے۔

عابد حسین کی توجہ تو اس قصہ کے سحر میں جکڑی گئی جب انہوں نے بتایا، علامہ اقبالؒ کے والدؒ کو اپنے بارے میں فکر تھی کہ ان سے پوچھا جائے گا انہوں نے بیٹے کی کس طرح تربیت کی اور اس کی اُٹھان و پرورش کیسی کی؟ فارسی شعر تو ان کی سمجھ میں نہ آئے۔ جب فاروق فارانی نے یہ کہا کہ:۔

''ہم سب اپنے اپنے بچوں کے بارے میں غور کریں، تصور کریں کہ حضور اکرمؐ ہم سے باز پرس کر رہے ہیں کہ یہ معصوم جان تمہارے سپرد کی گئی تھی تم نے اس کو کیسا پروان چڑھایا تو ہمارے پاس کیا جواب ہوگا؟''

عابد حسین کی نظروں میں اپنے چاروں بیٹے گھوم گئے۔ انہوں نے اس نظر سے کبھی نہ سوچا تھا کہ یہ امانت ہے جو اللہ کے حضور لوٹانی اور حضور اکرمؐ سے اس کارنامے کی داد حاصل کرنا ہے۔ دنیاوی لحاظ سے کامیاب راہوں پر گامزن تہذیب و شائستگی سے مزین ایک مشینی نظام کے کل پُرزے بنے ہوئے چاروں بیٹوں میں وہ کوئی ایسی جھلک نہ پا سکے جو ان کو حضورؐ کے سامنے سرخرو کر سکے۔

انہوں نے عجیب بے کلی سی محسوس کی جیسے بیٹے ان کے خلاف مدعی ہونے جا رہے ہیں۔

فاروق فارانی کیا کہہ رہے ہیں ان کو کچھ سنائی نہ دے رہا تھا۔ وہ تو حضور اکرمؐ کے قدموں میں اپنے بیٹوں کے بارے میں سوال و جواب کے تصور سے ہوش گم کئے بیٹھے تھے۔ یہ لمحہ جاذبیت، گہرائی، گیرائی کا قیمتی لمحہ تھا..... جیسے خالی سیپ میں موتی آن براجا ہو..... دل کا آئینہ اُجلا ہو کر اس میں کوئی نئی شخصیت نظر آ رہی ہو۔ گزرے لمحوں کی شرمندگی نے ادر برسات سی کر رکھی تھی آنکھوں میں اس برسات کے اثرات نمایاں ہونے لگے تھے۔ وہ گزشتہ زندگی کا کوئی لمحہ تلاشنے میں لگے رہے جس کو سہارا بنا کر وہ اُس دن کی شرمندگی سے بچ سکیں۔ لیکن کوئی دن، کوئی راستہ کوئی لمحہ ایسا ان کے کاسۂ زندگی میں نہ ملا..... یہ تلاش ناکام رہی تو بے اختیار ان کی آہ نکل گئی جیسے طویل سفر ایک سراب کی خاطر طے کر کے تھک گئے ہوں۔ عمر بھر کی کمائی کھوٹے سکوں کی صورت میں نظر آ رہی تھی۔ بیٹے ..... وہ بھی چار بیٹے ..... کسی کو بھی انہوں نے اپنی فلاح کا ذریعہ نہ بنایا..... سرمایہ بھی لگ چکا، ہمت وطاقت بھی سلب ہو گئی۔ لق و دق صحرا میں پانی کا ایک قطرہ بھی نہیں انہوں نے اپنے پیاسے ہونٹوں پہ لاشعوری طور پر زبان پھیری، بے چینی سے پہلو بدلا۔

فاروق فارانی کا مسحور کن لب ولہجہ ہال میں گونج رہا تھا.....

رگوں میں وہ لہو باقی نہیں ہے
وہ دل وہ آرزو باقی نہیں ہے
نماز و روزہ و قربانی و حج
یہ سب باقی ہیں تو باقی نہیں ہے

میرے خیال میں ہم خود کو تلاش کرنے میں ناکام ہیں۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ اقبال کی زبان میں اس کا جواب ہے

تراتن روح سے نا آشنا ہے
عجب کیا آہ تیری نارسا ہے

عابد حسین! تو نے روحِ زندہ والے بیٹے نہیں پالے وہ تو بس

من وتوش ہیں..... انہوں نے خود کو کٹہرے میں کھڑا کیا۔

اور اپنا وجود؟ پت جھڑ کی زد میں ہونے کو ہے عمر کا شجر..... مدت سے دل میں ایسا عہد خزاں چل رہا تھا جیسے برگ و بار سے کوئی واسطہ نہ ہو۔ عابد حسین کے نہاں خانہ دل سے ایک آہ دُعا بن کر نکلی۔

''میرے مولا، میرے دل کی خزاں کو بہار میں بدل دے''

شاید یہ قبولیت کا لمحہ تھا کہ عابد حسین کی روح جھوم اٹھی۔

مقرر بھی کسی روح کا تذکرہ کر رہا تھا۔

؎ رہ گئی رسم اذاں روح بلالی نہ رہی۔

''نکتۂ آغاز ہی نکتۂ انجام ہوتا ہے..... جیسا بیج ڈالو گے ویسا شجر ہوگا۔ وہ پہلی آواز، پہلی پکار، پہلا پیغام..... احساس ذمہ داری کا وعدہ اپنے بچوں کے کانوں میں مکمل مومنانہ روح کے ساتھ ڈالا جائے تو شاید سمت درست مل جائے۔ بس رسم ہے جو ادا کر دی جاتی ہے کہاں ہیں وہ دیوانے جو اللہ کی بڑائی کا ترانہ روح بلالی کے ساتھ نومولود بچوں کے کانوں میں اتارتے ہوں؟''

ایک جذب کے عالم میں فاروق فارانی دلوں کے تار ہلا رہے تھے..... ''کیا آپ میں سے کسی نے روح بلالی سے آشنائی حاصل کی؟''

عابد حسین کی طرح بہت سے لوگوں نے سوچا تو ان کو یہ بھی یاد نہ آیا کہ ان کے بچوں کے کانوں میں پہلی اذان کس نے دی..... کس جذبہ کے تحت دی؟ کچھ کو تو یہ بھی یاد نہ آیا کہ اذان دی بھی گئی یا نہیں!

احساسِ محرومی نے ان کو نڈھال سا کر دیا۔ عابد حسین نے خود کو خالی دامن پایا۔

ہال سے کیسے، کب نکلے، جاذب نے ان کو کب گھر چھوڑا یہ سب کچھ ان کے حافظے میں نہیں تھا۔ وہ کسی اور دنیا میں تھے جہاں پہلی اذان، روح بلالی، نکتۂ آغاز، حضورؐ کے سامنے پیشی کا احساس..... تازیانے برسا رہا تھا۔

گھر آ کر وہ اپنی سابقہ زندگی کے اطوار، اصول و قواعد کامیابیوں کے ہر گُر کی نفی کرتے رہے۔ ان کے بیٹے تو ان پرندوں کی طرح آزاد فضاؤں میں دور جا چکے تھے۔ جن کے پنجرے کا دروازہ کھول دیا گیا ہو۔ آزاد کردہ پنچھی کب واپس آتے ہیں۔

ساری رات خون جگر سے اشک پیازی ہوتے رہتے۔ اس امید پر کہ کاش وقتِ سحر کا نالہ آسمانوں کے سارے دروازے کھلواتا ہوا منزلِ مراد تک پہنچ جائے۔ فجر کی نماز میں سوز جگر اور بڑھ گیا..... اور چند لمحوں میں جب وہ سجدے میں تھے تو ایسا واقعہ پیش آیا کہ رہی سہی کسر بھی پوری ہوگئی۔ محلّہ میں انکے پرانے ساتھی انوار الحق انکے ساتھ ہی نماز ادا کر رہے تھے کہ نماز کے دوران بے ہوش ہو کر گر پڑے نمازیوں نے جلد از جلد ان کو قریبی ہسپتال میں پہنچایا۔ ساتھ عابد حسین بھی تھے۔ انتہائی نگہداشت کے وارڈ میں ان کو رکھا گیا۔ باقی لوگ گھروں کو چلے گئے عابد حسین انتظار گاہ میں بیٹھ گئے۔ کل سے جو کچھ ظاہری آنکھ کے ساتھ ہو رہا تھا وہ تو تھا ہی، دیدہ دل کے اشکوں کو صرف وہی جان سکتے تھے۔ تپش اور خلش دونوں جذبے انسان کی روح کو تازہ دم رکھتے ہیں۔ آج روح کی آبیاری کا موسم عروج پر تھا۔

''کاش..... اے کاش..... کوئی ہنر، کوئی موقع مل جائے جس کو سندِ قبولیت کا جواز بنا کر دنیا سے رخصت ہو سکیں''۔ شدتِ کرب کے ساتھ انہوں نے رب سے التجا کی۔

انتظار گاہ میں ان کے سامنے ایک نوجوان انتہائی اضطراب کے عالم میں کبھی ٹہلنے لگتا کبھی بیٹھ جاتا۔ کبھی ہاتھ ملتا اور کبھی استقبالیہ پر جا کر کچھ بات چیت کی کوشش کرتا۔ عابد حسین نے اس کا سرسری سا جائزہ لیا اور دل ہی دل میں انوار الحق کی صحت یابی کی دُعا کرنے لگے تھوڑی دیر بعد ایک نرس نے باہر آ کر اس نوجوان کو بیٹے کی خوشخبری سنائی تو فرطِ انبساط سے وہ نوجوان پاس کھڑے عابد حسین ہی کے گلے لگ گیا۔ ''میرا بیٹا'' آ گیا۔ عابد حسین نے اس کو مبارک باد دی۔ بات چیت سے معلوم ہوا کہ وہ اس شہر میں اجنبی ہے، دو ہفتے پہلے اس کا ٹرانسفر ہوا ہے..... اس کا بچہ بھی ڈاکٹر کے دیئے ہوئے وقت سے کچھ پہلے دنیا میں آ گیا ہے.....

اسی اثناء میں نرس نے نوجوان کو بچہ دیکھنے کی اجازت دی.....

عابد حسین نے کچھ سوچا اور نوجوان سے پوچھا۔

''کیا میں بھی دیکھ سکتا ہوں؟''

''جی ہاں، کیوں نہیں ضرور، ضرور'' نوجوان خوشی سے بے حال ہوا جا رہا تھا۔

دونوں نرسری میں پہنچے۔ نرس نے بچہ نوجوان کو پکڑا دیا۔ بچے کو دیکھ کر نوجوان فرط محبت سے رونے ہی لگ گیا۔ نرس نے ساتھ ہی کچھ دوائیاں لانے کو کہا اور کاغذ ہاتھ میں تھما کر باہر چلی گئی۔

نوجوان نے بے اختیار بچہ عابد حسین کے حوالے کیا اور خود دوائیاں لینے چلا گیا۔

وہ ننھا سا، گلابی سا وجود، نئی زندگی، پہلی پکار، روح بلالی.....

عابد حسین کے ذہن میں برق سی دوڑی اور جیسے دل کے تار پھر سے ارتعاش میں آ گئے اور اس سے پہلے کہ نوجوان واپس آتا وہ اس ننھی سی جان کے کانوں میں آبِ حیات انڈیل چکے تھے۔ وہ سارا سوز جگر جو کل سے ان کو تپش دے رہا تھا اس پر ٹھنڈک اور سکون کا مرہم رکھا گیا۔

''میرے رب! اس روح بلالی کی لاج رکھ لینا''۔ انہوں نے درخواست بھی ساتھ ہی پیش کر دی۔

جب وہ اس عمل میں مصروف تھے تو انہوں نے دیکھا کہ نومولود کے دائیں کان پر پیدائشی سیاہ رنگ کا نشان ہے، کان کا نصف حصہ بالکل جدا رنگ کا ہے.....

چند منٹ بعد نرسری پر مامور نرس نے آ کر بچے کو ان سے واپس لے لیا اور وہ انوار الحق کے بارے میں خبر لینے استقبالہ پر کھڑے ہو گئے۔

انوار الحق کو دل کا دورہ پڑا تھا۔ اگلے دو دن سخت تشویشناک تھے۔ ان کے گھر والے بھی خبر لینے آ چکے تھے۔ ان کے آنے پر عابد حسین ہسپتال سے باہر جا رہے تھے کہ وہی نوجوان مل گیا۔ انہوں نے اس کو اپنی طرف سے ہر طرح کے تعاون اور مدد کی پیشکش کی۔

اُس کے دونوں ہاتھ میں کچھ سامان تھا، وہ نیچے رکھ کر اُس نے عابد حسین سے ہاتھ ملایا اور پھر جھک کر سامان اٹھانے لگا تو ان کی نظر نوجوان کے سینے پر پڑی قمیض کے اندر گلے میں صلیب لٹکتی دیکھ کر ان کے اوسان خطا ہو گئے اور لرزہ سا طاری ہو گیا۔ انہوں نے جاتے نوجوان کو مڑ کر دیکھا اور بے جان ٹانگوں سے گھسیٹتے ہوئے گاڑی میں جا بیٹھے۔

''یا اللہ! وہ آب حیات میں نے کہاں انڈیل دیا.....اُس برتن میں جس کے پیندے میں سوراخ تھا''۔ شاید اس نے فیشن کے طور پر.....مگر مسلمان ابھی اتنے گئے گزرے نہیں کہ وہ گلے میں صلیب لٹکانے لگیں.....اپنی تسلی کی خاطر یہ سوچتے ہوئے وہ دوبارہ استقبالہ تک پہنچے حالت ایسی تھی کہ بس بیان سے باہر.....

وہ ابھی جس نوجوان کے بیٹا پیدا ہوا ہے اس کا نام کیا ہے؟

''اکرم مسیح''

اور ان کو اپنی بے بسی پہ رونا آنے لگا۔ جذب و شوق، سوز دروں کے ساتھ یہ سلوک؟ انہوں نے سوچا ابھی مجھ میں بے حد و حساب خلا ہے۔ میں موسیٰ نہیں ہوں کہ آگ لینے جاؤں تو پیغمبری ملے جائے۔ ابھی دل کے داغ اتنے گہرے نہیں ہیں کہ چاند شرمانے لگے۔

آج پھر بارش کے بعد ساری کہانی دہرا کے انہوں نے وہی دُعا مانگی ''اے اللہ! کوئی تو عمل ایسا کروا دے جو سانسوں کی ڈور ٹوٹنے سے پہلے مطمئن کر سکے''۔ باورچی خانے سے تلّوں کی اشتہا انگیز خوشبو باہر تک آ رہی تھی۔ برآمدے میں ٹہلتے ٹہلتے انہوں نے پندرہ سال پہلے کا قصہ دہرا لیا۔ جاذب ابھی تک نہیں آیا انہوں نے گھڑی دیکھی.....اور اُسی وقت باہر سے گاڑی کے ہارن کی آواز آئی۔

راشد نے آ کر گیٹ کھولا، بارش کی ''باقیات'' سے لبریز گاڑی اندر داخل ہوئی، کیچڑ کے چھینٹوں سے گاڑی انتہائی مضحکہ خیز شکل میں نظر آ رہی تھی،

''یار، بہت دیر لگا دی''

''کہاں دیر لگائی ہے۔ لگتا ہے انتظار شدید تھا''

جاذب نے گلے ملتے ہوئے وضاحت طلب کی۔

دونوں ڈرائینگ روم میں جا بیٹھے اور پھر باتیں۔ تبصرے

تذکرے، کھانے سے پہلے، کھانے کے دوران اور بعد میں بھی چلتے رہے۔ ملکی، غیر ملکی، بین الاقوامی سیاست، معیشت ثقافت، سیاحت کچھ بھی تو نہ چھوڑا انہوں نے ..... رات بہت گزر گئی تو سونے سے پہلے عابد حسین نے پوچھا

''کل کا کیا پروگرام ہے؟''

''فاروق فارانی'' کے گھر جانا ہے۔ ظہر کی نماز ان کی مسجد میں ادا کروں گا انشاءاللہ۔

''اچھا؟؟'' آواز میں محبت بھرا اشتیاق شامل تھا۔

''میں نے بھی جانا ہے'' بچوں کی سی معصومیت سے کہا گیا۔

''چلے چلنا'' جاذب نے نارمل لہجہ میں کہا، وہ نہیں جانتا تھا کہ فاروق فارانی سے ان کے دل کا رشتہ جڑا ہوا ہے اور اس کی وجہ بھی وہ خود ہی تھا۔

رات کی بارش کے بعد سورج کا منہ دُھلا ہوا لگ رہا تھا۔ فضا بھی نکھری نکھری سی تھی لیکن سڑکوں، راستوں، گلیوں میں گندا پانی، کوڑے کرکٹ کے ڈھیر بدبو پھیلا رہے تھے۔ دونوں کے چہروں پر تاسف اور ناگواری کے اثرات نمایاں تھے۔ دونوں میں وہی کچھ تبادلہ خیال ہوتا رہا جو ایسے مناظر دیکھ کر ہونا چاہیے۔ باتوں میں راستے کی طوالت کا پتہ ہی نہ چلا اور وہ ''مہر ٹاؤن'' کے ایک گھر کے سامنے جا رُکے گھر کے باہر دو تین اور گاڑیاں بھی کھڑی تھیں۔

''اِن سے ملاقاتوں کا تانتا بندھا رہتا ہے'' چار جاتے ہیں تو دو آتے ہیں''..... گاڑی سے نکلتے ہوئے جاذب نے بتایا۔

''ہاں! بڑے لوگوں سے محبت اور عقیدت ہوتی ہے نا!'' عابد حسین نے بھی مؤدبانہ لہجہ میں جواب دیا۔

انہوں نے سوچا ادب واحترام میں اضافہ، عمر کی وجہ سے نہیں علم وعمل کا مرہون منت ہے۔ ''فاروق فارانی'' عمر میں ہم سے کہیں کم ہے مگر خلق خدا میں ان کی عزت کرنے والے ہم جیسے بوڑھے بھی ہیں۔ یہی کچھ سوچتے ہوئے وہ سامنے والے کمرے میں جا پہنچے جس کا دروازہ سب کے لئے کھلا رہتا تھا۔

دونوں نے سلام کیا اور دیوار کے ساتھ ساتھ لگی نشستوں پر بیٹھ گئے۔ وہاں پہلے سے موجود لوگوں کی توجہ سے بات سنتے ہوئے فاروق فارانی تھے، جن کے چہرے پر اب بھی وہی نورانی کشش تھی صرف داڑھی کے بال مکمل سفید ہو چکے تھے، سر پہ عمامہ تھا..... کافی عرصہ ملک سے باہر رہ کر پاکستان واپس آئے تھے۔ عابد حسین نے اس دن کے بعد ان کے تذکرے سنے تھے، بالمشافہ ملاقات کبھی نہ ہوئی تھی۔ ابھی لوگوں کی گفتگو جاری تھی کہ چند اور لوگ آ گئے۔ پھر ایسا لگا کہ شاید کوئی تقریب ہونے والی ہے۔ کچھ گہما گہمی کے آثار لگنے لگے۔ آہستہ آہستہ کمرے میں رکھی کرسیاں ملاقاتیوں سے پُر ہوگئیں۔ ''فاروق فارانی'' کے سامنے مائیک رکھ دیا گیا۔ ایک نو عمر بچہ ان کے ساتھ بٹھایا گیا اور اُس کے ساتھ ایک اور صاحب، دونوں باپ، بیٹا لگتے تھے۔ سب حاضرین خاموش تھے کہ ''فاروق فارانی'' کی حمد وثنا کے ساتھ آواز گونجی اور پھر انہوں نے بتایا کہ آج کا مبارک دن ہم سب کے لئے خوشی کا باعث ہے۔ امت مسلمہ میں ایک اور خاندان کا اضافہ ہونے جا رہا ہے۔ سب نے زیر لب سبحان اللہ کہا، کسی نے اللہ اکبر کہا۔

بچے کے ساتھ بیٹھے ہوئے صاحب کو اظہار خیال کی دعوت دی گئی۔ بھرّائے لہجے میں وہ شخص بولا:

''میرا ایک ہی بیٹا ہے۔ وہ عجیب مزاج لے کر آیا تھا شروع دن سے..... ہمیں اپنے بیٹے سے محبت نہیں عشق تھا۔ اُس کی عادتیں عام بچوں سے بہت مختلف تھیں۔ وہ اذان کی آواز پہ اتنی توجہ دیتا تھا کہ ہم حیران ہوتے تھے، ماں کی گود میں ہی تھا جب ہم کہتے تھے اس میں کسی مسلمان کی روح حلول کر گئی ہے۔''

چند جملے بولنے کے بعد ان صاحب کا اعتماد بحال ہونے لگا،

''میں زیادہ کچھ نہیں کہہ سکتا، اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہے کہ اُس نے ہمیں اس طرح کا بچہ عطا فرمایا اور اس کے ذریعہ سے ہمیں صراط مستقیم نصیب ہوئی۔ آپ سب ہمارے لئے دُعا کریں۔''

سب لوگ ہمہ تن گوش ہو کر سن رہے تھے۔

''اللہ تعالیٰ استقامت عطا فرمائے''۔ کچھ آوازیں آئیں

باقیوں نے آمین کہا۔ پھر بچے سے فاروق فارانی نے پوچھا۔

آپ نے کیسے اسلام کی طرف رجوع کیا؟

نوعمر بچہ دبلا پتلا لمبے قد کا تھا۔ مگر اعتماد سے بھرپور لہجہ توانا تھا۔

''مجھے مسجد سے آئی اذان کی آواز، مسجد میں جاتے لوگ بہت بھلے لگتے تھے۔ میں نمازیوں کو باجماعت نماز ادا کرتے دیکھ کر اپنے دل میں بہت ساری خوشی محسوس کرتا تھا۔ میں نے لائبریریوں میں جا کر، سینٹر پر اسلام اور آخری نبیؐ کے بارے میں بہت پڑھا، اپنے والدین کو بھی ساتھ ساتھ پڑھوایا۔ اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہے کہ اُس نے ہمیں ہدایت کا نور بخشا''۔

سب لوگ رشک بھری نگاہوں سے اس بچے کو دیکھ رہے تھے۔

''فاروق فارانی'' نے باری باری سب کے سامنے دونوں سے کلمہ شہادت ادا کروایا اور دونوں کے نام رکھے۔

یہ ''اکرم مسیح'' سے آج ''محمد اکرم'' ہوگئے ہیں.....''

عابد حسین کی سماعتیں وہیں جم کر رہ گئیں کانوں میں استقبالیہ پہ بیٹھے شخص کی آواز گونجی ''اکرم مسیح''

ان کا دل اتنی زور سے دھڑکا گویا کہ سینے سے باہر آجائے گا۔

اکرم اور اس کے بیٹے محمد بلال دونوں کو پھولوں کے ہار پہنائے گئے۔ عابد حسین آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دونوں کو دیکھنے لگے، یکدم ہی انہوں نے اکرم مسیح کو پہچان لیا۔ ''وہی ہے، وہی ہے'' جیسے آرشمیدس نے ''پالیا..... پالیا'' کا نعرہ لگایا تھا۔ یہاں یہ فرق تھا کہ انہوں نے اپنے دل کی آواز صرف خود ہی سنی۔

ان کی ٹانگیں کانپنے لگیں۔ چہرہ مارے خوشی کے تمتمانے لگا۔ اٹھنے کی سکت نہ تھی ایک دم ان کو بچے کا کان یاد آیا۔ مگر وہ تو عمامہ ایسے باندھے تھا کہ کان کا اوپر والا حصہ چھپا ہوا تھا۔ کیسے دیکھوں؟ کس سے پوچھوں؟

ان کی حالت ایسی تھی جیسے جامِ کوثر لبوں کے قریب آکر چھوٹنے کا خدشہ ہو۔

کچھ افعال ایسے ہوتے ہیں جس کے ہونے میں انسان کا نہ ارادہ ہوتا ہے نہ کوشش نہ نیت۔ یہ وہی افعال ہیں جن پر انسان کو کوئی اختیار نہیں ہوتا!

دُعائے استقامت کے بعد مبارک بادیوں کا سلسلہ شروع ہوا تو عابد حسین نے جاذب کا ہاتھ پکڑا اور بچے کے پاس گئے۔ وہ بچہ پہلے جس شخص سے مل رہا تھا اسکا ہاتھ لگنے سے عمامہ ٹیڑھا ہوگیا۔ عابد حسین نے دیکھا بچے کے دائیں کان کا اوپر والا حصہ پیدائشی کالے نشان سے مزین ہے ..... ان کا دل سینے میں زور سے دھڑکا ..... اور پھر شاید دھڑکنا بھول گیا۔

سانسوں کی ڈوری ٹوٹنے سے پہلے مطمئن ہو جانے کی دُعا قبول ہوگئی تھی۔

چلتے چلتے

4 جنوری 2011ء منگل کی سہ پہر تقریباً سوا چار بجے تمام پاکستانی ٹی ۔وی چینلز بریکنگ نیوز، دے رہے تھے ۔گورنر پنجاب سلمان تاثیر کے اپنے ہی محافظ گارڈ کی فائرنگ سے جاں بحق ہونے کی خبر دی جارہی تھی ۔نہ جانے کتنے لبوں پر بے اختیار درود وسلام جاری ہوگیا ہوگا۔کتنوں پر ہیبت طاری ہوئی ہوگی اور کتنوں پر ناموس رسالتؐ کی اہمیت ونزاکت بار دیگر عیاں وبیاں ہوگئی ہوگی ۔

عیسائی مذہب سے تعلق رکھنے والی آسیہ نامی عورت کو عدالت سے سزائے موت ہوچکی تھی پوری کارروائی مکمل ہونے کے بعد یہ سزا سنائی گئی تھی ہمارے روشن خیال گورنر صاحب کے من میں نہ جانے کیوں شاتم رسولؐ اللہ کی مرتکب اس بدبخت عورت کی حمایت ومحبت کچھ ایسے جاگی کہ اسے بے گناہ قرار دینے لگے اور صدر صاحب کو اس کی سزا معاف کروانے کے لئے درخواست تک بھجوا دی ۔جیل میں اس عورت سے ملاقات بھی کی، بس جی پھر کیا تھا قارئین محترم آگاہ ہی ہوں گے۔ٹی وی اخبارات ہر جگہ اس مسئلے کو لیا گیا اور حسبِ معمول قوم دو حصوں میں بٹ گئی ۔روشن خیال حضرات اپنے خیالات کی روشنی کی چکا چوند میں اپنی نگاہ وقلب تک چندھیا بیٹھے ۔ اور بنیاد پرست ،لوگ گورنر صاحب کی حمایت باطل پر تلملا اٹھے ،جھلاّ اٹھے ۔راست فکر اصحاب قلم نے بڑے زبردست مضامین سپرد قلم کئے مگر گورنر صاحب اپنی بات پر ڈٹے رہے۔

منگل کے دن اپنے ہی محافظ کا نٹیبل کی گولیوں کا نشانہ بننے والے گورنر صاحب محض تین دن پہلے ہفتے کی شام ''ایکسپریس نیوز چینل'' کے پروگرام ''فرنٹ لائن وِدکامران شاہد'' میں کچھ اس طرح گورنری فرمارہے تھے۔

''توہین رسالت کا موجودہ قانون خدا کا بنایا ہوا نہیں ۔اللہ نے تضحیک کا خود بدلہ لینے کا اعلان کیا ۔انسان کو قانون بنانے کی ضرورت نہیں''

کہاں گیا ان لوگوں کا بار بار یہ کہنا اور خود گورنر صاحب کا بھی کئی مرتبہ یہ فرمانا کہ میں توہین رسالت کے قانون کے خلاف نہیں ہوں البتہ اس میں ترمیم چاہتا ہوں ۔اب تو وہ صاف کہہ رہے ہیں کہ

''اللہ نے تضحیک کا خود بدلہ لینے کا اعلان کیا۔انسان کو قانون بنانے کی ضرورت نہیں''

اور اس 'ارشاد گرامی' کے محض چوتھے روز اسلام آباد میں ایک ریسٹورنٹ میں کام و دہن کی تواضع کے فوراً بعد اپنے ہی محافظ کی 27،26 گولیاں اس شخص کے سینے میں اتر گئیں جو ایک ہفتے قبل یہ بات فخریہ کہہ رہا تھا کہ میں اس سال بھی بسنت مناؤں گا ۔لوگ کسی نیک کام کے کرنے کا اعادہ کرتے ہیں ۔انشاءاللہ کہتے ہیں مگر یہاں تو ڈھٹائی ہی ڈھٹائی تھی کبھی علمائے کرام کے خلاف تضحیک آمیز بیانات ،کبھی آسیہ کم بخت کی غریب پروری اور اس کی بے قصوری پر حمایتی اعلانات .....شبانہ روز رنگین محفلوں کی مصروفیات الگ ۔پھر بھی اطہر عباس 'کنکریاں' میں رقم طراز ہیں۔

''..... مجھے یقین ہے سلمان تاثیر کی شہادت رائیگاں نہیں جائے گی .....اور جب اللہ کی بارگاہ میں مقتول اور قاتل حاضر ہوں گے تو رسولؐ پاک کی شفاعت سلمان تاثیر کو ملے گی'' (ایکسپریس 11 جنوری) ادھر خلق خدا یعنی پاکستانی عوام کیا کہتے ہیں ۔خبروں کے آئینہ میں اس کا اندازہ لگانا .....اس کا عکس دیکھنا کچھ بھی تو مشکل

نہیں۔ملاحظہ فرمایئے چند ایک خبریں:۔

☆ ''اسلام آباد میں گورنر سلمان تاثیر سرکاری گارڈ کی فائرنگ سے جاں بحق: گورنر نے ناموس رسالت ایکٹ کو کالا قانون کہا تھا اس لئے قتل کیا۔قتل کا فیصلہ تین روز پہلے کیا۔فعل پر ندامت نہیں۔خاندان کو خدا کے حوالے کر دیا''ممتاز قادری''

☆ گورنر ہاؤس، داتا دربار اور بادشاہی مسجد کے خطیبوں کا نماز جنازہ پڑھانے سے انکار۔نوکری چھوڑنے کو تیار ہوں۔سلمان تاثیر کی نماز جنازہ نہیں پڑھا سکتا: خطیب گورنر ہاؤس

☆ مکمل قانونی و اخلاقی حمایت کا اعلان: ممتاز قادری کی رہائی کے لئے کوئی کسر اٹھا نہ رکھیں گے: تحریک تحفظ ناموس رسالت

☆ ممتاز قادری کا ایک روزہ جسمانی ریمانڈ۔عدالت آمد پر لوگوں نے پھولوں کی پتیاں نچھاور کیں۔اسلام آباد بار کا مقدمہ لڑنے کا اعلان

☆ ''ممتاز قادری پانچ وقت کا نمازی ہے، تعلق دعوت اسلامی سے ہے: اہل محلّہ''

☆ ''ایلیٹ فورس کی سکریننگ شروع۔پانچ باریش نوجوانوں کو ہٹا دیا گیا''

☆ ممتاز قادری کے ساتھ ہیرو جیسا سلوک تشویشناک ہے: امریکی اخبار

☆ تعلیم یافتہ پاکستانی طبقے میں بھی عسکریت پسندی موجود ہے۔پاکستانی فوج پر اربوں ڈالر خرچ کرنے والا امریکہ پاکستانی معاشرے میں قدامت پسندی نظر انداز کر گیا''

☆ جمہوریت کی طاقت تصور کیے جانے والے وکلاء بھی پھول برساتے دکھائی دیئے۔ناموس رسالت کے نام پر کیا گیا قتل جرأت کا عمل گردانا گیا ہے۔گورنر کے قاتل پر پھولوں کی بارش: پاکستانی حکومت پریشان اور غیر ملکی مبصرین حیران رہ گئے: امریکی اخبار

جن کی قسمت میں پریشان اور حیران ہونا لکھ دیا گیا ہو انہیں کوئی کیسے سکون قلب اور فرحت و راحت عطا کر سکتا ہے۔؟ اپنی حکومتوں کا تو کیا ہی کہنا اقتدار کے سنگھاسن پر بیٹھے نہیں کے دل، آنکھ، ذہن سب کے سب بند ہو جاتے ہیں بس یاد رہتا ہے تو اقتدار کو طول دینے کے ہتھکنڈے......مفادات کی چالیں اب دیکھئے نانیشنل بینک کے صدر علی رضا صاحب چار دفع توسیع ملازمت لے چکے پھر بھی مزید ہوس جاری تھی وہ تو اللہ بھلا کرے اور محفوظ و سلامت رکھے ہمارے چیف جسٹس افتخار چوہدری صاحب کو کہ انہیں آڑے ہاتھوں لے کر ملازمت سے سبکدوش کیا۔گزشتہ دسمبر میں تفریحی الاؤنس کے نام سے موصوف ایک کروڑ 2 لاکھ روپے لے چکے ہیں پندرہ یوم کی رخصت کے ساتھ یہ تو ایک معمولی مثال ہے سو ہماری حکومتوں کا تو کیا ہی کہنا۔یہ تو غازی عامر چیمہ کے جنازے پر بھی پریشان ہو گئی تھی۔اس وقت کے پنجاب کے وزیر اعلیٰ بزعم خود اللہ کے سپاہی، پرویز الٰہی صاحب نے تپتی دوپہر میں جنازہ ہیلی کاپٹر کے ذریعے سارو کی چیمہ پہنچا کر کے اعلان کردہ وقت سے کہیں پہلے دھکو دھکی دفنانے کی کی۔سواپنی کٹھ پتلی حکومتوں کی تو بات ہی جانے دیں۔البتہ غیر ملکی مبصرین کی حیرانی پر ضرور حیرانی ہے...... مطالعہ کے شوقین یہ لوگ اسلامی تاریخ سے اتنی سی بھی آگاہی نہیں رکھتے......صرف مکہ دور کا زمانہ ہی پڑھ لیتے یا پھر کچھ یاد کر لیتے تو شاید ان کی حیرانی کم ہو جاتی۔کفار مکہ نے کیسے کیسے جتن نہیں کئے رسولؐ کے خلاف اور ان کے لائے گئے دین حنیف کے خلاف مگر ہوا کیا؟ وہی جو احمد ندیم قاسمی نے ایک شعر میں مضمون باندھا ہے۔

؎ چارہ سازوں سے الگ ہے مرا معیار کہ میں
زخم کھاؤں گا تو کچھ اور سنور جاؤں گا

کیا انہوں نے مقامِ رسول ﷺ سیرت کی کتب میں نہیں پڑھا۔قرآن پاک میں نہیں پڑھا؟ احادیث کے آئینے میں اس کا تعین نہیں کر سکے؟ جن کے وضو کا پانی صحابہ کرام نیچے نہیں گرنے دیتے تھے۔جن کے پسینے کو شیشی میں محفوظ کر لیا جاتا تھا ان نامی گرامی ہستی، ہزاروں درود و سلام ہوں ان پر......کی محبت میں شاتم رسولؐ ا

بلکہ ناقدِ قانون ناموس رسالت کو بھی نہ چھوڑنے والے ..... ایک جذبے سے اس کا سینہ گولیاں سے چھلنی کرنے والے اہل اسلام کی محبت کے مستحق تو ہوں گے۔ پھولوں کی پتیاں کیا چیز ہیں مسلمان تو ہر چیز اس پر وار دیں۔

اس گئے گزرے دور میں بھی حُب رسول اللہ ﷺ کا اپنا ہی انداز ہے اپنا ہی رنگ ہے..... ارے ان دونوں کے چہرے ہی دیکھ لو۔ فرق صاف ظاہر ہو جائے گا حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا تھا کہ ہمارے جنازے ہمارے فیصلے کریں گے..... سبحان اللہ فیصلہ تو ہو گیا ..... کسی مسلمان کی نماز جنازہ پڑھانے سے کسی نے کب انکار کیا ہو گا مگر یہاں کیا معاملہ ہوا؟ **فاعتبروا یا اولی الابصاد**

ہمارے چند افلاس زدہ کالم نگار..... روشن خیالی کے زعم میں نہ جانے کیسے کیسے اندھیروں میں بھٹک رہے ہیں۔ کیا وہ اتنا بھی نہیں جانتے کہ غازی علم الدین۔ جس نے گستاخِ رسول کو قتل کیا تھا اس کی سزائے موت پر علامہ اقبال نے ''ضرب کلیم'' میں اسے یوں خراجِ تحسین پیش کیا ہے

؎ ان شہیدوں کی دیت اہل کلیسا سے نہ مانگ
قدرو قیمت میں ہے خوں جن کا حرم سے بڑھ کر

اور پھر اقبال ہی نے تو فرمایا ہے

؎ لوح بھی تو ، قلم بھی تو ، تیرا وجود الکتاب
گنبدِ آبگینہ رنگ تیرے محیط میں حباب

ہمارا موضوع مقام محمد ﷺ متعین کرنا نہیں۔ وہ تو ہزاروں برس پہلے حضرت عائشہؓ فرما چکی ہیں کسی کے اس سوال پر..... ''حضورؐ کے اخلاق کیسے تھے''؟ ..... کہ کیا تم قرآن نہیں پڑھتے ؟ ہمارے قلم کو یہ مجال یہ تاب کہاں کہ اُس ہستی کا مقام مرتبہ متعین کریں جس پر خود اللہ اور اس کے فرشتے درود وسلام بھیجتے ہیں۔ ہم تو بس یہ جانتے ہیں کہ

؎ بمصطفیٰؐ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر باو نہ رسیدی تمام بولہبی است

اور عشقِ رسول ﷺ پر حیران پریشان ہونے والو! آپ اس حقیقت کو اپنے قلب و ذہن میں کیوں جاگزیں نہیں کر لیتے کہ بقول اقبال

؎ در دل مسلم مقام مصطفیٰؐ است
آبروئے ما زنامِ مصطفیٰؐ است

اب تو حالت یہ ہے کہ اصل کو بے اصل بنا کر دکھایا جا رہا ہے اور باطل کو حق کے روپ میں پیش کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا جا رہا ہے مگر اس سے کیا ہوتا ہے کہ

اس مرتبہ اسی مقدس و محترم موضوع پر چلتے چلتے یہی شکستہ الفاظ و احساسات قبول فرمایئے کہ دیگر خبروں پر طبع آزمائی کرنا ہمیں کچھ مناسب معلوم نہیں ہو رہا

سچ تو یہ ہے کہ یہ وہ متبرک و منزہ موضوع ہے کہ کیا بتائیں

؎ قلم ہے آبلہ پا اور مدح باقی ہے
ورق تمام ہوا اور مدح باقی ہے

صلی اللہ علیہ وسلم دائماً دائماً کثیراً کثیراً

☆☆☆

ذروہ احسن

عرض یہ ہے کہ.....

مبارک سلامت کے شور میں ابھی ولی عہد بہادر نے اس دنیا میں آنکھیں کھولی ہی ہوتی ہیں کہ ماں بہنوں کے دلوں میں اس ''چاند'' سے چہرے پر سہرے کی لڑیاں سجانے کی آرزو چٹکیاں لینے لگتی ہے۔ ماں جاگتی آنکھوں سے خواب دیکھتی ہے کہ میرا بیٹا پڑھے گا، لکھے گا، کمائے گا اور اک چاند سی بہو گھر کے آنگن میں اُترے گی اور بہنیں گنگنا رہی ہوتی ہیں کہ ''ویر میرا گھوڑی چڑھیا''۔

مگر جوں جوں یہ ارمانوں بھرا وقت قریب آتا جاتا ہے، توں توں دل میں خدشات جنم لینے لگتے ہیں۔ بیٹا کہیں زن مرید نہ ہو جائے، بیوی اسے لے کر الگ نہ ہو جائے، ماں بہنوں کی پروا کرنا نہ چھوڑ دے، یہ اور وہ، بہتیرے خدشات ہوتے ہیں۔ ان حالات میں جب بہو گھر آتی ہے تو خواہ مخواہ محاذ آرائی کی سی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔

اب ذرا دوسرے فریق کے دل کی باتیں بھی سُن لیں۔

شادی کے بعد معمول کی زندگی شروع ہوئی نہیں کہ مسائل کا آغاز ہو گیا۔ نیا مہینہ شروع ہے۔ گھر کا سودا سلف لانا ہے، آٹا، دال، چاول، گھی، تیل، نمک، مرچ، سب کچھ ہی تو لانے والا ہے اور میاں صاحب ہیں کہ آج اور کل پر ٹال رہے ہیں۔ بیگم پریشان ہیں کہ کل کھانا کیسے پکے گا؟ اور جو کھانا وقت پر تیار نہ ہوا تو صاحب بہادر کے ماتھے کی شکنیں کون گنے گا؟

بچوں کی فیس پر جرمانہ بڑھ رہا ہے، سوئی گیس کا نوٹس آ گیا ہے، تین دن سے گھر میں پانی نہیں آ رہا، بجلی کے بل کی آخری تاریخ ہے، مگر جناب کے پاس ان غیر اہم کاموں کے لئے وقت ہی نہیں۔ مہمان آنے والے ہیں بیکری سے سامان منگوانا ہے۔ صبح جلد آنے کا وعدہ کر کے گئے تھے۔ دفتر میں یاددہانی بھی کروائی تھی مگر ابھی تک لوٹے نہیں۔ اب کیا ہو گا؟

ایسے میں دل سے یہی آواز اٹھتی ہے کہ کاش کوئی کل وقتی نہ سہی جز وقتی ملازم ہی ہوتا۔ بچوں کے کپڑے چھوٹے ہو گئے ہیں، اسکول کے جوتے پھٹ گئے ہیں، کسی کی کاپی، کسی کی کتاب لانی ہے، کچھ اسکول والوں کی ''فرمائشیں'' پوری کرنی ہیں۔ لیکن حضرت دفتر سے اتنا تھک کر آئے ہیں کہ اب ہلنا بھی دشوار ہے۔ بچے الگ بسور بسور کر ماں کو پریشان کر رہے ہیں کہ 'پارک جانا ہے' دکھی دل سے فریاد نکلتی ہے ''اے اللہ! ایک عدد ڈرائیور تو عنایت کر!''

ایک صاحبہ کے میاں فوج میں تھے۔ حسرت بھری آہ بھر کر کہنے لگیں۔ ''پہلے تو میرا آئیڈیل تھا کہ میاں آپریشن برانچ میں ہوں، خوب ترقی کریں۔ شاندار کیریئر ہو۔ مگر اب تو یہی جی چاہتا ہے کہ سپلائی برانچ کے ہوتے۔ بلا سے ترقی نہ ہوتی، کم از کم گھر کی maintenanec کے کام تو ہو جاتے''۔

شنید ہے کہ ایک صاحب نے اپنی بیگم کو اطلاع دی کہ وہ دو دن کے لئے لاہور سے اسلام آباد جا رہے ہیں۔ بیگم گھبرا کر بولیں! ''کیا بائے روڈ جائیں گے؟'' میاں صاحب خوش ہوئے کہ میری بیگم کو میرے آرام کا کس قدر خیال ہے بولے ''نہیں نہیں جہاز سے جاؤں گا'' ''شکر ہے'' بیگم نے اطمینان کا سانس لیا ''میں تو ڈر گئی تھی کہ کہیں ڈرائیور نہ چلا جائے''

تو جناب، ساسوں کی خدمت میں مؤدبانہ گذارش ہے کہ اگر آپ شادی پیکج میں ایک عدد ڈرائیور، ایک خانساماں، اور ایک باہر کے کام کے لئے ملازم شامل کر لیں تو آپ کے ''چاند'' سے بیٹے کو (جو ویسے تو شاید رعایتی نمبروں پر پاس ہوتا ہے) بڑا اچھا رشتہ مل جائے گا اور بے شک یہ چاند سا بیٹا ہمہ وقت آپ کے گھٹنے سے لگا بیٹھا رہے، بہو کو کوئی پروا نہ ہو گی۔ ہاں، بس ہر ماہ تنخواہ دینا نہ بھولے! ☆

اے اللہ! اے ربِّ نیاگرا!

کینیڈا میں کچھ عرصہ عارضی قیام کے دوران مجھے نیاگرا آبشار دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ چنانچہ رختِ سفر باندھ کر ہم عازمِ سفر ہوئے جائے قیام سے ڈیڑھ گھنٹہ کی مسافت کے بعد ہماری منزل آ گئی۔ کار کو پارکنگ کے علاقہ میں کھڑا کر دیا گیا اور ہم شاداں وفرحاں شوقِ دید کی تمنا لئے ہوئے سوئے آبشار چلے۔

چلتے چلتے میں نے اوپر نگاہ دوڑائی۔ تاحدِ نظر بے حد وسیع و عریض، بے کنار، بیکراں، لامحدود، ساکن وجامد نیلا آسمان نظر آ رہا تھا۔ آسمان کے ساتھ ساتھ تھوڑے تھوڑے فاصلے پر بادلوں کے ٹکڑے تیر رہے تھے۔ بادلوں میں کہیں روئی کے گالوں کا سا سفید رنگ جھلک رہا تھا، تو کہیں سرمئی شام کا سا رنگ اور کہیں پگھلے ہوئے تانبے کی خوبصورت رنگت نے سماں باندھ رکھا تھا۔ رنگوں کے اس ملاپ نے آسمانی دنیا کو بے حد پرکشش اور حسین بنا رکھا تھا۔ مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا گویا نیلا آسمان ایک سمندر ہے اور اس میں مختلف اشکال اور جسامت کی رنگ برنگی کشتیاں تیر رہی ہیں۔ ان کشتیوں کی منزل مختلف تھی اور کوئی نظر نہ آنے والا ہاتھ ان کو سوئے منزل رواں دواں رکھے ہوئے تھا۔ میں جانتی تھی کہ اپنی اپنی منزل پر پہنچ کر یہ کشتیاں پانی کے قطروں میں ڈھل کر زمین کے گلے سے آن ملیں گی۔

میں نے آسمان سے نظر ہٹا کر نیچے دیکھا تو مبہوت ہو کر رہ گئی

دور دور تک پانی ہی پانی دکھائی دے رہا تھا۔ سطح زمین سے پانی کے ریلے تیز رفتاری کے ساتھ نشیب کی طرف لپک رہے تھے۔ نشیب پر پہنچتے ہی ان کی رفتار میں انتہا کی تیزی اور تندی آ جاتی تھی اور وہ پوری قوت کے ساتھ پستی میں جا گرتے۔ لیکن بلندی سے پستی کا یہ سفر بھی بلا کا خوبصورت تھا۔ زمین کی سطح سے ٹکراتے ہی سفید جھاگ ادھر اُدھر بکھر جاتی اور پانی کے کچھ ننھے ننھے شرارتی قطرے زمین سے ٹکرا کر ہوا میں اچھل جاتے جس سے ہوا میں سفید رنگ کی نازک اور نفیس سی چادر بن جاتی۔ ایسی دیوار جس کے آر پار آسانی سے دیکھا جا سکتا ہے، اس چادر کے پار آبشار اپنی پوری قوت کے ساتھ رواں دواں نظر آتی تھی۔ آبشار کے پانی میں جا بجا سبز رنگ جھلک رہا تھا۔ کہیں اس رنگ میں بے انتہا شوخی نظر آتی، کہیں یہ مدھم پڑ جاتا تو کہیں معدوم ہو جاتا تھا اور اس کی جگہ سفید جھاگ سر اٹھا کر محوِ رقص ہو جاتی۔ یہ پانی کے نیچے اگی ہوئی سبز گھاس اور پودوں کا رنگ تھا، جو پانی میں سے جھانک رہا تھا اور جس نے آبشار کی خوبصورتی کو چار چاند لگا دیئے تھے۔ آبشار کی تہہ میں یہی سبز رنگ پانی میں ایسے گھل مل گیا تھا کہ یوں محسوس ہوتا تھا گویا کسی ان دیکھے ہاتھوں نے زمرد کا فرش بچھا دیا ہو۔ اس فرش پر تھوڑے تھوڑے فاصلے پر دلکش نسواری اور سلیٹی رنگ کے قدرے بڑے چٹان نما پتھر پڑے تھے۔ جب پانی ان پتھروں سے ٹکراتا تو ان کے اردگرد کبھی سفید جھاگ کے ہالے بن جاتے تو کبھی ٹوٹ جاتے۔

فضا میں بے شمار مرغابیاں اور سی گل (sea gull) محوِ پرواز تھے۔ گاہے گاہے وہ نیچے اتر کر پانی کے قریب آ کر اپنی چونچ اس میں ڈبوتے اور مچھلی پکڑ کر بلندی کی طرف اڑ جاتے۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا کہ وہی ان دیکھے ہاتھ پرندوں کی خوراک تک رسائی کے لئے ان کی رہنمائی کر رہے تھے۔

پانی کی گزرگاہ کے راستے میں آنے والے خس وخاشاک اس کی قوت کے سامنے بے بس تھے اور پتھر کی مضبوط چٹانیں بھی کڑی مزاحمت کے باوجود اس کے بہاؤ کو روکنے سے لاچار تھیں۔ پانی کے

ریلوں کا باہم مل کر جھاگ اڑاتے ہوئے تیز رفتاری کے ساتھ ایک ہی سمت کی جانب مدام چلنا اسی ان دیکھے ہاتھ کے جاہ وجلال کو ظاہر کر رہا تھا۔ پانی کی سطح کے ساتھ ساتھ مختلف پرندوں کی اڑان اور پانی میں سبزے کے شوخ رنگ کی آمیزش سے اسی ہاتھ کا جمال ہویدا تھا۔ میں اس منظر کو دیکھ دیکھ کر حیران وسرگرداں تھی کہ اس کے حُسن خیال اور کمال فن کی داد کیسے دے پاؤں گی کہ ایسے بے پایاں حسن کو بیان کرنے کے لئے تنگئ داماں اور کم مائیگی کا احساس شدید تر ہو گیا تھا۔

آبشار کے اردگرد پتھر اور لوہے کی مدد سے تقریباً چار فٹ بلند ایک حفاظتی دیوار بنائی گئی ہے۔ ہم سب اس دیوار کے ساتھ ساتھ کھڑے ہو کر محو نظارہ تھے۔ میں دنیا و مافیہا سے بے خبر مسلسل ٹکٹکی باندھ کر بہتے ہوئے پانی کو دیکھتی چلی جا رہی تھی اور میرے ذہن میں مختلف سوال کلبلا رہے تھے۔ میں سوچ رہی تھی کہ

نہ جانے اس پانی کے سوتے کہاں سے پھوٹ رہے ہیں؟

نہ جانے یہ پانی اپنی دھن میں مگن کتنے طویل فاصلے سے اپنے سفر کی ابتدا کر کے کب سے اپنی منزل کی جانب رواں دواں ہے؟

اس پانی کو اس کی منزل کا سراغ کیسے ملا؟

اس نے اپنی سمت کا تعین کیسے کیا؟

چاروں طرف سے بہہ کر آنے والا پانی کیونکر ایک ہی رخ کی جانب محو سفر ہے؟

پانی کے کچھ ریلے اپنی مرضی سے مخالف سمت کا رخ اختیار کیوں نہیں کر لیتے؟

اس پانی کو کس نے مخصوص اصول وضوابط اور حدود وقیود کا پابند بنا رکھا ہے؟

پانی کو دیکھتے دیکھتے اچانک مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرے پاؤں کے نیچے کی زمین میرے وجود کو لئے ہوئے آہستہ آہستہ سرک رہی ہے میں نے گھبرا کر دیوار کو تھام لیا اور اپنے آس پاس کھڑے ہوئے ہجوم کی طرف یہ سوچ کر نظر دوڑائی کہ شاید وہ بھی میری طرح اس حرکت کو محسوس کر کے گھبرا اٹھے ہوں گے لیکن وہاں ہر چہرہ پرسکون تھا اور آبشار کے ملکوتی حسن کو دیکھنے میں محو تھا۔ تب مجھے خیال آیا کہ بسا اوقات چلتے ہوئے پانی کو مسلسل دیکھتے رہنے سے بھی اس حرکت کا احساس ہو جاتا ہے لیکن بہتے ہوئے پانی کے سنگ خود بھی حرکت میں آ جانے کا احساس بہت لطف اندوز تھا۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا گویا میں بحری جہاز کے عرشے پر کھڑی تھی اور وہ مجھے لے کر خراماں خراماں پانی میں چل رہا تھا۔

فضا میں ڈھیروں مرغابیاں قطار اندر قطار محو پرواز تھیں۔ کبھی وہ ناک کی سیدھ میں چلتی چلی جاتیں تو کبھی اپنا رخ بدل کر دوسری سمت اختیار کر لیتیں۔ لیکن رخ پھیرنے کی اس تبدیلی کے باوجود ان کی قطاریں ٹوٹنے نہیں پاتی تھیں۔ اس ہم آہنگی کی وجہ سے ان کی پرواز بے حد دلکش اور متاثر کن تھی۔ ان کو دیکھ کر میں یہ سوچنے پر مجبور ہو گئی کہ کیا ان مرغابیوں کا بھی کوئی مکتب تھا؟

کیا ان کا بھی کوئی معلم تھا؟

ان کو کس نے جغرافیے کا علم دیا؟

ان کو کس نے ہوا میں نظر نہ آنے والے نقشے اور زاویے دکھا دیئے؟

ان کو کس نے پرواز کے یہ انداز وآداب سکھائے؟

میرے دل نے مسکرا کر جواب دیا۔

''پگلی! اسی نظر نہ آنے والے ہاتھ نے''۔

وہاں کھڑے کھڑے ٹھنڈک کا احساس ہونے لگا۔ فضا میں خنکی پھیل گئی۔ رم جھم جھم پھوار پڑنے لگی۔ پھر دیکھتے دیکھتے دھند چھانے لگی۔ دھند کی دودھیا چلمن نے آبشار کے منظر کو قدرے بدل دیا لیکن یہ تبدیلی مشتاقانِ دیدار کو اور بھی بھلی لگنے لگی۔ یہ نظارہ بھی خوب تھا کہ

؎ صاف چھپتے بھی نہیں، سامنے آتے بھی نہیں

دھند گہری ہوتی چلی گئی اور آہستہ آہستہ ہر چیز کو اپنی لپیٹ میں لینے لگی۔ میرے لئے یہ منظر طلسم کدہ سے کم نہ تھا۔ اسے دیکھتے دیکھتے معاً مجھے یوں محسوس ہونے لگا جیسے میں خود بھی اس منظر کا ایک حصہ بن رہی ہوں۔ جیسے میرے دل کی دھڑکن مدھم ہو رہی ہے۔ جیسے

دھند نے مجھے بھی اپنے دامن میں سمیٹ لیا ہے۔ جیسے میرا وجود بھی دھیرے دھیرے دھند میں تحلیل ہو رہا ہے۔ جیسے مجھ پر جمود طاری ہو رہا ہے۔ جیسے مجھ پر سحر چھا رہا ہے نہ جانے اس عالم میں کتنے عالم بیت گئے کہ اچانک تیز ہوا کے تھپیڑے میرے وجود سے ٹکرا کر میرے کانوں میں سرگوشیاں کرنے لگے۔

''خبردار! با ملاحظہ! ہوشیار! اپنے قدم مضبوطی سے زمین پر جمائے رکھو۔ پھر نہ کہنا کہ ہم نے تمہیں اکھاڑ دیا۔ کیونکہ ہماری سرشت ہے کہ ہم ہر کمزور، بے خبر اور مدہوش وجود کو اس کی ضعیفی کی پاداش میں اٹھا کر دور دراز پھینک دیتے ہیں اور ہم اپنی اس سرشت کے سامنے بے بس ہیں''۔

اس سرگوشی کو سن کر محویت کا سحر ٹوٹ گیا۔ میرے وجود کے اندر ننھے ننھے جگنو چمکنے لگے اور اس روشنی کے در آتے ہی میں دھند کے طلسم سے باہر نکل آئی۔

بارش کی پھوار قدرے تیز ہو گئی تھی۔ اب ہوا کے ساتھ ساتھ بارش کے یخ بستہ قطرے میرے منہ پر برس رہے تھے۔ لیکن اس کے باوجود میں نیلے آسمان تلے اس منظر کو چھوڑنا نہیں چاہ رہی تھی۔ جب بارش تیز تر ہو گئی تو چار و ناچار مجھے اپنی جگہ چھوڑنی پڑی۔ میں نے پلٹ کر دیکھا تو میری نظر سڑک کے ساتھ ساتھ کوتاہ قامت کے بے شمار گہرے سرخ اور کاسنی رنگ کے پھولوں کے جھنڈ پر پڑی۔ پھولوں کی ساخت چھتریوں سے ملتی جلتی تھی اور وہ خوبصورت چمکدار مخمل کی مانند چمک رہے تھے۔ انہوں نے ٹہنیوں اور پتوں کو پوری طرح ڈھانپ رکھا تھا۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ زمین کا سینہ چیر کر حسنِ فطرت کا منظر دیکھنے کے لئے باہر نکل آئے ہوں اور پھر خود اسی کا حصہ بن کر رہ گئے ہوں۔ پھولوں کے آس پاس لاتعداد سرو قد مپیل کے درخت ایستادہ تھے۔ موسم کی تبدیلی کے ساتھ ہی ان درختوں نے اپنے ملبوس بھی تبدیل کر لئے تھے۔ ان کے تمام تر سبز پتوں کا رنگ نارنجی، آتشی گلابی، سرخ اور عنابی رنگ میں ڈھل گیا تھا۔ میں نے سوچا نہ جانے ان درختوں کو کس نے موسم کی تبدیلی کی نوید دے کر پیراہن تبدیل کرنے کا حکم دیا تھا؟

میرے دل نے چپکے سے جواب دیا

پگلی! اسی ان دیکھے ہاتھ نے۔

مجھے ان درختوں، پھولوں، نیلے آسمان، آبشار، بادلوں، دھند، ٹھنڈی ہواؤں اور بارش کو دیکھ دیکھ کر اپنی بے بسی کا شدید احساس ہوا۔ میں نے سر اٹھا کر اپنا رخ آسمان کی طرف کر کے اسی ان دیکھے ہاتھ سے شکوہ کرتے ہوئے کہا۔

''اے خالقِ کائنات! مجھے بتا، اب میں کیا کروں؟ اس قدر حسن اور خوبصورتی کو سمیٹنے کے لئے تو نے مجھے صرف دو آنکھیں، ایک ننھا سا دل اور مختصر سی مہلت عطا کی ہے۔ اسے جذب کرنے کے لئے اگر میرا پورا وجود آنکھوں میں ڈھل جائے، میرا رواں رواں دھڑکنے لگے اور مجھے عمر دوام مل جائے تو بھی کم ہے۔ اگر تیرے جاہ و جلال اور حسن و جمال کی ایسی ہی فراوانی تھی تو اسے سمیٹنے کے لئے میرا دامن بھی وسیع کر دیا ہوتا''۔

اسی دوران ایک یخ بستہ تیز ہوا کا جھونکا آ کر مجھ سے لپٹ گیا۔ میں نے اس کی شدت اور قوت کو محسوس کرتے ہوئے اس سے کہا کہ

''اگرچہ اپنی چاہت کے باوجود میں تمہاری چال اور سبک خرامی کو کبھی اپنا نہیں سکتی لیکن تم بھی تو میری طرح زمین پر قدم جما کر چل نہیں سکتی''۔

پھر میری نظر ہوا کے دوش پر اڑتے ہوئے پرندوں پر پڑی اور میں نے انہیں پکارتے ہوئے کہا کہ

''خواہش کے باوجود میں فضا میں اڑ نہیں سکتی اور تم پرواز کو ترک کرنے پر قادر نہیں''۔

پھر میں اپنے آس پاس پھیلے ہوئے خوبصورت پھولوں اور سرسبز پودوں سے مخاطب ہو گئی۔

''اگرچہ میں سرِ راہ تمہارے رنگ و روپ میں ڈھل کر آنے جانے والے لوگوں کی نگاہ کا مرکز نہیں بن سکتی لیکن تم بھی تو زمین سے اپنا دامن چھڑا کر آزادانہ سیر و سیاحت کرنے سے قاصر ہو''

یکا یک بارش کے موٹے موٹے قطرے ٹپ ٹپ کر کے میرے چہرے پر گرنے لگے میں نے دل ہی دل میں بارش سے کہا کہ

''میں تمہاری طرح آسمان سے برس کر زمین کے سینے میں ٹھنڈک کا باعث نہیں بن سکتی لیکن تم بھی انسانوں کے سینوں میں بسیرا نہیں کر سکتی''۔

اب میں نے ان سب کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ

''اگر چہ ہم سب کا تعلق اسی کرۂ ارض سے ہے لیکن ہم سب شکل وصورت رنگ ونسل، قد و قامت، ہیئت وحالت، ساخت و پرداخت اور عادات و خصائل کے لحاظ سے ایک دوسرے سے بہت مختلف ہیں اور عجیب بات یہ ہے کہ اتنے اختلافات کے باوجود ہم سب ایک ہی سلسلے میں بندھے ہوئے ہیں، ہم ایک ہی زنجیر کی کڑیاں ہیں، ہم ایک ہی فرمانروا کے محکوم ہیں، ہم نے ایک ہی لفظ ''کن'' کے بطن سے جنم لیا ہے، ہم سب کی حیات وممات ایک ہی ہستی کے اختیار میں ہے اور ہم ایک ہی دستِ قدرت کی صناعی کا شاہکار ہیں۔ وہ ذات جو ہم سب کی خالق بھی ہے اور کفیل بھی، وکیل بھی ہے اور حفیظ بھی۔ گویا ہم سب ایک دوسرے سے مختلف ہونے کے باوجود ایک ہی شہنشاہ کی رعایا ہیں۔ وہ شہنشاہ جو اول بھی ہے اور آخر بھی، جو ظاہر بھی ہے اور باطن بھی''۔

یہ خیال آتے ہی میں بے اختیار پکار اُٹھی

''اے اللہ! اے ربِ کریم ......اے اللہ! اے ربُ العزت
اے اللہ! اے ربِ کائنات......اے اللہ! اے ربِ نیا گرا
میں نے تجھے تیرے مظاہر میں پا لیا۔''

میری لائبریری سے

دلّی کی خواتین کی کہاوتیں اور محاورے، مصنفہ بیگم شائستہ اکرام اللہ آکسفورڈ یونیورسٹی پریس

زبان کی خصوصیت یہ ہے کہ ہر سو یا دو سو سال تک اپنا لب ولہجہ ہی نہیں بدلتی بلکہ اس میں بہت سے نئے الفاظ ،محاورے شامل ہو جاتے ہیں ، پرانے الفاظ اپنے معنی کھو دیتے ہیں اور ان کا مفہوم جاننے کے لئے لغات کھنگالنا پڑتی ہیں۔قیام پاکستان کے دنوں کے مشہور شاعر فراق گورکھپوری کا شعر پڑھنے اور سر دھننے کی بجائے مطلب ڈھونڈیئے یہ اردو زبان کا شعر ہے اسی صدی کے آغاز کی اردو اور اب بولے جانے والی اردو کا تقابلی جائزہ لیجئے۔

؎ اگن کنڈ ہے سینہ فراقؔ
دیئر دیئر جلتی ہے آگ

(فراق کا سینہ آگ کا کنواں ہے جس میں تیری یادیں دھڑ دھڑ کر کے جلتی ہیں)

بہر حال آمدم برسرِ مطلب کچھ محاورے کچھ کہاوتیں ایسی ہوتی ہیں جو سدا زندہ رہتی ہیں۔ان سے ایک شاندار روایت، عظیم ماضی کی جھلک ہی نہیں ملتی ،اس پورے ماحول کی عکاسی ہوتی ہے۔ایسی ہی ایک ننھی منی کتاب میرے ہاتھوں میں ہے ''دلّی کی خواتین کی کہاوتیں اور محاورے''اس کتاب کو پڑھ کر میرا وہ ماضی پھر سے زندہ ہو گیا جس میں رشید احمد صدیقی ، شاہد احمد دہلوی جیسے قلم کار اپنی دلچسپ زبان وبیان سے قاری کو اپنے سحر میں جکڑ لیتے تھے اور جب بیگم شائستہ اکرام اللہ کا تعارف میرے پاس رٹے رٹائے ان فقروں میں تھا کہ'' وہ تحریک پاکستان کی ایک نامور خاتون رہنما تھیں'' تو اس کتاب کو پڑھ کر میری معلومات میں بہت خوشگوار اضافہ ہوا۔ڈاکٹر اسلم فرخی اس کتاب کے دیباچے میں لکھتے ہیں۔

''بیگم شائستہ نے میکے میں جو کچھ سیکھا اور حاصل کیا سسرال میں اس پر جلا ہوئی ۔شوہر کا تبادلہ لندن ہوا تو ساتھ گئیں'' اردو ناول اور مختصر افسانے'' کے موضوع پر پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی ۔لندن یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کرنے والی وہ پہلی مسلمان خاتون تھیں۔

یہ چھوٹی سی کتاب بیگم صاحبہ کی لسانی فکر، اردو زبان سے بے پناہ لگاؤ، پاکستان کے موجودہ لسانی الجھاؤ کے ماہرانہ تجزیئے پر مبنی ہے آج سے ساٹھ ستر برس قبل عورتوں کی بامحاورہ اور خوب صورت زبان آمیزش سے پاک ہونے کی وجہ سے مستند اور ٹکسالی سمجھی جاتی تھی الفاظ کی سند شعرا کے کلام یا عورتوں کی زبان سے فراہم ہوتی تھی ۔ چونکہ عورتوں کی زبان بیرونی اثرات سے پاک ہوتی تھی لہٰذا اسے اہمیت دی جاتی تھی آہستہ آہستہ پرانی بڑی بوڑھیاں غائب ہو گئیں یا خاندانوں پر ان کے اثرات کم ہوتے گئے ۔خواتین روز بروز انگریزی تہذیب کی دلدادہ ہوتی گئیں۔جو خواتین اب مائیں یا نانیاں، دادیاں ہیں وہ انگریزی محاورے سے تو کسی حد تک آشنا ہیں لیکن اپنے محاورے سے بے بہرہ ہو گئی ہیں اور ان نسلوں کی پرورش کے لئے مائیں انگریزی کا سہارا لینے پر مجبور ہیں۔''

قارئین دیباچے کا یہ نکتہ میرے ذہن پر ایک بم دھماکے کی طرح لگا ہے ۔واقعی تہذیب ایک دم نہیں آہستہ آہستہ رنگ روپ چھوڑتی ہے ۔بیت الخلا سے لیٹرین ، لیٹرین سے ٹوئلٹ اور ٹوئلٹ سے باتھ روم اور پھر واش روم کا سفر ہمیں ہماری حقیقت سمجھاتا ہے ۔ اور تو اور بہت سے دیندار گھرانوں کی مائیں اس سفر میں بغیر سوچے سمجھے امی ،اماں یا ماں جی سے ماما اور ابو یا ابی جان سے ڈیڈی اور پاپا تک پہنچ گئے ..... یہ خیال ہی نہ کیا کہ امی سے ماما محض الفاظ کی تبدیلی

نہیں لسانی بے راہ روی ہے۔

بیگم شائستہ اکرام اللہ نے لسانی بے راہ روی کے اس دور میں دلّی کی خواتین کی کہاوتوں اور محاوروں کو مرتب کر کے اس تہذیب کے ذریعہ اظہار کو محفوظ کرنے کی کوشش کی ہے۔ پیارے قارئین کتاب کے پیش لفظ میں بیگم صاحبہ کی زبان ایسی ہے کہ پڑھنے والے کو مزہ آجائے لکھتی ہیں!

''کہاوت کا ایک جملہ مدتوں کے تجربے کا نچوڑ ہوتا ہے ان محاوروں کے ذریعہ تجربے کی ہزاروں باتیں ذہن نشین کرائی جاتی تھیں۔ دنیا کی اُونچ نیچ، نفع نقصان سمجھایا جاتا تھا۔ اس زمانے کی عورتوں کا یہ خاصہ تھا کیونکہ دل کی بھڑاس نکالنے کا یہ واحد ذریعہ تھا۔ ان کہاوتوں کے ذریعے نو دو لتیے لوگوں کے خوب لتّے لیے جاتے ان کے یہاں کی عورتیں اگر نزاکت کا اظہار کریں تو طنزاً انہیں نازک بیگم یا مہین بیگم کہا جاتا۔

امیری غریبی پر بھی بہت کہاوتیں تھیں۔ ''مرا ہاتھی سوا لاکھ کا'' اور بڑے دیگ کی کھرچن بھی بہت ہوتی ہے'' یعنی پشتینی امیر چاہے کتنا ہی گیا گذرا ہو پھر بھی اس کے گھر میں امیری کی نشانی کچھ نہ کچھ باقی ہو گی جیسے بیش قیمت تلوار نوادرات، زیورات، چاندی سونے کے ظروف وغیرہ۔

ہنر سلیقہ عورت کا زیور سمجھا جاتا اس لئے قدم قدم پر اس کی تعریف کی جاتی اور پھوہڑ پن اور بدسلیقی پر خفگی ہوتی۔ لڑکیوں کی عادت تیزی سے چلنے کی ہوتی ہے اس طرح جلدی میں ٹھوکر لگ جاتی یا دھچکا لگنے سے چیز ٹوٹ جاتی اس پر ماں خالہ طنزاً کہتیں ''گھڑ بہو چلے ستر گھر ہلے'' کنواری لڑکیاں اگر بڑوں کے بیچ دخل دیں، بولیں یا بات کاٹیں تو فوراً ڈانٹ پڑتی اور کہا جاتا ''زبان کا ٹانکا ٹوٹ گیا ہے''۔ اسی طرح آنکھ سے آنکھ ملا کر بات کرنے پر کہا جاتا ''آنکھ کا پانی مر گیا ہے''۔ تیز طرار لڑکی پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھی جاتی تھی بلکہ ''منہ پھٹ پکی پکوٹا'' کہلاتی یہ بھی کہا جاتا ''ذرا دیکھو ٹانگ برابر لڑکی کیسی دیدہ دلیری سے باتیں کر رہی ہے''۔

طعنہ اور طنز میں بھی حفظ مراتب کا خیال رکھا جاتا اپنے سے بڑے کے سامنے طعن اور تشنیع کا تو کیا ذکر ان کے سامنے زبان تک کھولنا عیب سمجھا جاتا۔ کوئی مہمان تھوڑی دیر آنے کے بعد جانے کو کھڑی ہو جائے تو کہا جاتا '' اے ہے کیا راستہ ناپنے آئیں تھیں.....'' اپنی عمر کے لحاظ سے زیادہ ہار سنگھار کرنے والی کو ''بڈھی گھوڑی لال لگام'' یا ''بوڑھے منہ مہاسہ لوگ دیکھیں تماشہ'' کی پھبتی کسی جاتی، دن چڑھے تک کنگھی کئے بغیر پھرنے والی لڑکیوں کو ''سر جھاڑ منہ پہاڑ'' اور دن چڑھے تک سونے والیوں کو یہ کہہ کر جگایا جاتا ''اٹھو بھی کیا، مردوں سے شرط باندھ کر سو رہی ہو'' سرِ شام سونے والیوں پر طنز کی جاتی ''ان کا کیا کہنا چراغ میں بتی پڑی میری لاڈو تخت چڑھی''۔

دو بہت موزوں کہاوتیں میں نے لیڈی واستوا کی زبانی سنی تھیں۔ ان کی لڑکی شیلا، میں اور دو ایک اور لڑکیاں سیسل ہوٹل شملہ میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے ہم سب کا کہنا یہ تھا کہ ہمیں کسی کے کہنے سننے کی پروا نہیں جب ہم کوئی غلط بات کرتے نہیں تو پھر ڈر کا ہے کا؟ اس پر لیڈی واستوا بڑے دھیرے سے بولیں ''بیٹی بد بھلا بدنام بُرا.....'' ان کا کہنا کتنا صحیح تھا یہ عمر اور تجربہ کے بعد احساس ہوا۔ لوگ بہت برے کام کر کے پار ہو جاتے ہیں اور کسی کو اس کا پتہ نہیں چلتا کوئی ان کو بُرا نہیں کہتا اور دوسرے ذرا سی غلطی کر کے بے پروائی کی وجہ سے بدنام ہو جاتے ہیں اور نقصان اٹھاتے ہیں۔

چھوٹے بڑوں کو بہت ادب سے سلام کرتے تھے بڑے ان کا جواب دعائیہ جملے سے دیتے۔ آداب عرض، تسلیمات عرض ہے، بزرگوں کے آگے اظہار ادب کے جملے تھے مگر اب متروک ہو چکے ہیں بقول توبۃ النصوح کے کلیم کے بس ''السلام علیکم'' کا ڈھیلا پھینک مارتے ہیں۔ مسز چھتاری کہا کرتی تھیں ''نہ سر جھکتا ہے نہ ہاتھ اٹھتا ہے سارا اسلام السلام علیکم میں آ گیا ہے''۔ جب حفظ مراتب کا زمانہ تھا دعائیہ جملے یہ تھے ''جیتے رہو، سلامت رہو، ہزاری عمر ہو''.....، عورتیں بچوں کو یوں دعا دیتیں ''جیتے رہو، زندہ رہو، ماں باپ کا سایہ سر پر قائم

رہے'' کنواریوں کے لئے ''خدا قسمت اچھی کرے'' بیاہیوں کے لئے ''خدا سہاگ قائم رکھے، گود بھری رہے......''

زبان کی ہزاروں گردانیں تھیں۔ موقع محل دیکھ کر اونچ نیچ سمجھ کر بات کرنا تہذیب اور شائستگی کی دلیل تھی۔ زبان کھولتے ہی پتہ چل جاتا کہ کون کتنے پانی میں ہے۔ لب ولہجہ اس کی غمازی کرتے، بولنے والے کا تعلق کس علاقہ اور کس طبقہ سے ہے، پڑھے لکھے ہیں یا جاہل، غرض سارا پول ایک زبان سے کھل جاتا۔

میری شادی ہوئے ابھی تھوڑے دن ہی ہوئے تھے کہ ایک بیگم صاحبہ آپا یعنی میری نند سے ملنے آئیں۔ انہوں نے طنز یہ لہجہ کی آمیزش سے پوچھا، ان کی شادی کیسے ہوئی؟ آپ کی رسمیں الگ ان کی رسمیں الگ۔ آپا نے ایک دفعہ تو سیدھے سبھاؤ جواب دے دیا، دونوں خاندانوں کو جاننے والی ایک دوست خاتون تھیں ان کے ذریعہ سے نسبت ٹھہری مگر ان بیگم صاحبہ کو اطمینان نہیں ہوا وہ یہی الفاظ دہرائے جا رہی تھیں پھر آپا کو غصہ آ گیا وہ سنبھل کر بیٹھیں اور بولیں ''دیکھئے صاحب فضول رسمیں تو اب کہیں بھی نہیں ہوتیں، باقی رہ گیا ایک نکاح سو وہ ان کے یہاں بھی ہوتا ہے ہمارے یہاں بھی''۔ اس زمانہ میں ماماؤں (ملازماؤں کو ماما کہتے تھے) کی زبان میں ایک خاص چٹخارہ ہوتا تھا خاص کر کے جب وہ آپس میں لڑ پڑتیں ایک دوسرے کو گالیاں دیتیں۔ اکثر دکھیاری ہوتیں اس لئے خود کو جنم جلی، نصیب کی کھوٹی کہتیں اپنی قسمت پر ٹھنڈی سانس بھرتیں۔

ے لکڑی جل کوئلہ بھئی کوئلہ جل بھیو راکھ
میں پاپن ایسی جلی نہ کوئلہ بھئی نہ راکھ

بیگم صاحبہ کے بخل پر کہتیں ''توبہ ہے! جو فقیر کو بھی جھوٹا ہاتھ ماریں یا بے جا کفائت شعاری پر کہتیں ''تو کونہ موکو چولھے میں جھونکو''۔

میری اماں کوسنوں کے سخت خلاف تھیں ہمارے گھر کے اندر کسی ماما کو کوسنے کی اجازت نہ تھی اماں کا کہنا تھا جو کسی کو کوستا ہے تو وہ بد دعا چوبیس گھنٹہ تک آسمان زمین کے درمیان گھومتی رہتی ہے اگر حق پر ہو تو جسے کوسا گیا ہے اس پر، ورنہ کوسنے والے پر پڑتی ہے اسی لئے کوسنا نہیں چاہیے کیونکہ غصہ میں حق ناحق کی تمیز نہیں رہتی۔ گالی دینا شریفوں کا شیوہ نہیں۔ ابھی میں بہت چھوٹی تھی تب میرے ابا نے مجھے بتایا کہ میرے دادا اگر زیادہ ناراض ہوتے تو کہتے فلاں شخص نامعقول ہے۔

بیویوں کے خفگی کے الفاظ بھی بندھے ٹکے تھے۔ نامراد، کمبخت، ناشدنی، جہنم میں جاؤ، دفع ہو جاؤ وغیرہ۔

بعض فقرے خالصتاً زنانہ تھے مرد کبھی ان کا استعمال نہ کرتے جیسے نوج، خدا کی سنوار، تمہارے منہ میں خاک وغیرہ۔

نباہ دینا یہ فقرہ ہماری تہذیب کی قدروں کا آئینہ دار ہے۔ نباہ دینا شوہر اور سسرال والوں کے ظلم و زیادتی کو صبر سے برداشت کرنے کا نام ہے یہ شکوہ شکایت کئے بغیر زندگی گزارنے کو کہتے ہیں۔ نباہنے میں ایک وقار ہوتا ہے، خوبصورتی ہوتی ہے اسکے ساتھ ایک جملہ بیبیاں اور کہتیں ''نیک کوکھ کی بیٹی ہے اسی نے نباہ دیا''۔

جب خواتین نے پہلے پہل مضمون نگاری شروع کی تو اپنا نام تک نہیں لکھتی تھیں کیونکہ عورتوں کے نام کا بھی پردہ تھا۔ باپ بھائی یا شوہر کے نام کے حوالہ سے ان کے مضامین چھپتے۔ نذر سجاد حیدر صاحبہ کے بنت نذر الباقر، ان کی پھوپھی کے ہمشیرہ نذر الباقر اور پھر والدہ افضل علی کے نام سے چھپے۔

جس طرح مطلب ادا کرنے کے لئے خواتین کہاوتوں کا سہارا لیتی تھیں، مرد شعر کا سہارا لیتے لیکن عورتیں شاعری سے نابلد نہیں تھیں اس دنیا اور اس ماحول سے وہ دنیا بہت دور معلوم ہوتی ہے جہاں چاندنی رات میں آنگن میں تخت پر بیٹھ کر شعر و شاعری اور بیت بازی کی جاتی، قصے کہانیاں سنی کہی جاتی تھیں۔''

تو پیارے قارئین! یہ وہ کتاب تھی جس کے کچھ فقرے چن چن کر ہم نے آپ کی خدمت میں پیش کر دیئے باقی رہے فقرے پڑھنے کے لئے کتاب خرید یئے اور کتاب دوست بنیے۔ اللہ حافظ!

عنیزہ حسن۔شارجہ

میری امّی

بہت چھوٹی سی بات ہے مگر ہے بہت اہم۔میری شادی ہو چکی تھی۔جس جگہ گھر تھا اُدھر پاکستان کے حالات کی وجہ سے گیس کنکشن ختم ہو چکا تھا اس لئے زیادہ تر کام گیس سلنڈر یا مٹی کے تیل کے چولہے پر ہوتا تھا۔اس کے شعلے ذرا سے مختلف ہوتے ہیں خیر نئی نئی شادی نیا نیا جذبہ کہ کچھ کام ہم بھی کریں۔ناشتے میں پراٹھے بناتی تو جما ہوا گھی بے حساب پڑ جاتا اور دائیں بائیں گرتا (اُس وقت اس کا گرنا اپنی غلطی محسوس نہ ہوتا بلکہ گھی کا قصور نظر آتا تھا کہ عجیب گھی ہے پگھل کر گر گر پڑتا ہے) مگر امی نے کبھی اشاروں میں بھی نہ جتایا کہ بہن، یعنی کہ بہو تم مدد نہیں کرواتیں میرا کام بڑھاتی ہو۔بلکہ باورچی خانے میں آ کر مدد کروانے پر ہی اتنی ممنون نظر آتیں کہ اُس وقت تو دل فخر سے بھر جاتا اور اب اپنی اس حماقت پر بلکہ اور بھی بہت ساری حماقتوں پر شرمندگی سے دل بھرتا ہے بہرحال امی جی.....جزاک اللہ۔

ہوا کچھ یوں کہ ایک محفل میں میں نے اپنی سہیلی کی ساس کا یہ کہہ کر تعارف کرایا کہ یہ ہیں جبین کی ساس تو انہوں نے کہا کہ ''ہم کو لفظ ساس اچھا نہیں لگتا اس سے غیریت کی بو آتی ہے'' میں نے اس بات کو شدومد سے رد کیا کہ یہ تو رشتوں کو نبھانے والے پر ہے، مجھے تو اپنی ساس کا تعارف کراتے بڑا فخر اور خوشی محسوس ہوتی ہے اور یہ بھی کہ میں اب اپنی اس عملی زندگی میں اپنی ساس امی کی جو قربت اور یگانگت محسوس کرتی ہوں وہ اپنی سگی ماں سے نہیں کر پاتی اُن کا ایک الگ اور بڑا رتبہ اور مقام ہے اور میری ساس کا ایک الگ .....تو اس پر وہ خوش بھی ہوئیں اور ساتھ ہی یہ بھی پوچھا کہ کیا تم نے اپنی اس محبت کا اظہار اپنی ساس سے بھی کیا ہے۔اب میں چپ.....کہنے لگیں ابھی ان کی زندگی میں ان کے سامنے سب کے سامنے اظہار کرو تا کہ سب کو.....ساسوں کو اور بہوؤں کو.....محبت کرنا آئے.....تو جناب یہ ہے محرک جو میری اس تحریر کا باعث بنا۔

تو امی جی! میں آپ کو بتاؤں کہ میں آپ سے بہت محبت بھی کرتی ہوں اور آپ کی زندگی میرے لئے قابل رشک ہے،نوجوانی میں اکثر اپنے ماں باپ غلط دِکھتے ہیں اور ہم بڑے جذبے رکھتے ہیں کہ ہم اپنی اولاد کے ساتھ ایسے ایسے کریں گے مگر جب اولاد بڑی ہونے لگی ہے تو معلوم ہوا ہے کہ ہم سے پچھلی نسل نے بچوں کی ہماری نسبت بہت بہتر تربیت کی ہے وہ ہمارے احساسات زیادہ بہتر طور پر جانتے تھے ہم اپنے بچوں کے محسوسات تک نہیں پہنچ پا رہے.....بالکل اسی طرح جب میں تازہ تازہ بہو بنی تو لگا کہ میں نے بڑے بڑے کام کئے مگر اب سمجھ آتی ہے کہ جس صبر حوصلے اور برداشت سے آپ نے کام لیا ہم آپ کی اپنی ساری اولاد اور ان کے ازواج مل کر بھی شاید اتنا نہ رکھتے ہوں۔

امی جی کی شادی اُن کے ابو نے خالص دینی بنیاد پر کی۔امی خالص اردو بولنے والے گھرانے سے ہیں اور میرے ابو (سسر) پنجاب کے اندرون سے تعلق رکھتے ہیں جہاں کی خالص پنجابی ایسے ہی تھی جیسے ہمارے آپ کے لئے فرنچ۔اس میں رہنا، اپنی جگہ بنانا، یہ سب بہت مشکل کام رہا ہوگا اور پھر اب امی کے پاس دس بچے ہیں۔ہم چار اور پانچ بچوں والے جتنا سیاپا ڈالتے ہیں امی کے پاس اس کا ایک فیصد بھی نہیں ہے اور اب بحیثیت ساس کے ۴ داماد اور ۵ بہوئیں ان کے ساتھ حتی الامکان ایک جیسا برتاؤ، حسن سلوک، خوش گمانی بہت بڑا کام ہے۔اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی اپنی زندگیوں میں بڑا حوصلہ دیں اور ہمارے تمام بزرگوں کو صحت تندرستی اور ایمان کی اعلیٰ حالتوں میں ہمارے سروں پر دیر تک رکھیں آمین۔☆☆☆

ذرا جو تم ٹھہر جاتے!

انفرادی اور اجتماعی فیصلے اور نظام اس پیغام کے تابع کرنا ضروری ہے۔ ہنود و یہود اور نصاریٰ کی محمدؐ سے دشمنی و رقابت اور ایذا رسانی و تضحیک کے ہتھکنڈوں کے توڑ کے لئے ''اتحاد امت'' درکار ہے تا کہ کفر مغلوب اور پیغام محمدؐ سربلند ہو۔ رب العالمین اور رحمت للعالمین کا پیغام انسانیت کو امن سلامتی اور انصاف دے۔ رب کائنات اس سفر پر چلنے والوں کو امید اور یقین دلاتے ہیں۔

اِنَّا شَانِئَکَ ھُوَالْاَبْتَرُ (الکوثر)

بے شک ایک سچے محبّ اور عاشق کا اپنے رسولؐ رحمت سے ایسا رشتہ ہی ہے جس پر مالک اپنے حبیب محمد مصطفیٰؐ کے ساتھ اسکے محبان کو بھی اپنا محبوب بنا لینے کا یقین دلاتا ہے۔

قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ

(آل عمران ۳۱) ☆☆☆

M.I Dar

یعنی محمد اسحٰق ڈار

میرے انتہائی عزیز از جان، میرے محترم ماموں جان!

آپ سے کوئی شکوہ نہیں۔ لیکن ایک سوال کا جواب دے پائیں گے کیا؟

ایسی کیا جلدی تھی آپکو جانے کی؟

ایسی کونسی محبتیں تھیں وہاں جن کی خاطر یہاں والوں سے بیوفائی کی آپ نے؟

وہاں ایسی کونسی خوشیاں منتظر تھیں آپ کی، کہ یہاں آنے والی عید سے منہ موڑ گئے آپ؟

لیکن آپ کیوں بتائیں گے۔ آپ تو چپکے سے رخصت ہو لئے۔

یہ تو مجھے سقراط نے بتایا تھا۔ کہتا ہے کہ

''زندگی میں بڑے بڑے علماء سے ملاقات کا موقع ملتا رہتا ہے اور مر کر ہم اسلاؤس امارس اور ارقلیس جیسے فضلائے دہر کے پاس پہنچ جاتے ہیں''۔

تو خیر فضلائے دہر تو نہیں لیکن ایسے عزیز رشتے ضرور تھے اُدھر جن کی خاطر آپ ہماری ویرانیوں میں اضافہ کر گئے۔ آپ کی امی، ابو اور اکلوتی عزیز ترین بہن نے آپ کو اپنے پاس بلا ہی لیا، اپنی عید کی خوشیوں میں اضافہ کرنے کے لئے۔ ان سے صبر نہ ہو سکا۔ کتنی عیدیں تھیں جو انہوں نے وہاں آپ کے بغیر گزاریں تو اب صبر نہ کر سکے۔ آج وہاں عالمِ بالا میں ان کی خوشیاں بڑھ گئی ہوں گی۔

آج عید ہے۔ بقرعید!

ابھی آپ کا فون آئے گا ناں؟ اپنی مخصوص بھاری اور دھیمی آواز میں.....

''ہیلو۔ و۔ و۔ و''

''السلام علیکو وووم''

''کیا حال ہیں؟''

کیا یہ حقیت ہے کہ اب ہم کبھی وہ بھاری دھیمی اور مخصوص محبت سے بھری آواز نہیں سن سکیں گے؟

نہیں۔ نہیں۔ پلیز ماموں جان! ایسا نہ کریں۔ ہمیں محروم نہ کریں اس احساس سے کہ ابھی امی زندہ ہیں۔ آپ کی موجودگی میں ان کے نہ ہونے کے باوجود ان کے ہونے کا احساس زندہ تھا۔ آج آپ فوت نہیں ہوئے ماموں جان!! ہماری امی دوبارہ مر گئیں آج!

تمام پچھلے زخم تازہ کر دیئے آپ نے..... غمِ فرقت نے ابھی

وقت کے مرہم سے شفا نہیں پائی تھی کہ دردِ اجل کو اور بڑھا گئے آپ.....

آپ اپنی ذات میں ایک انجمن تھے ۔ ہمہ جہت شخصیت کے مالک ۔ بچے ، بوڑھے ، بڑے جوان ، اہل کراچی ، اہل پنجاب سبھی کو پریشان کر گئے آپ..... حیران چھوڑ گئے آپ !

ابھی ابھی تو آپ نے ہالہ کو SMS کیا تھا کہ ہماری طرف سے تمام اہل خانہ کو عید مبارک.....

ابھی تو آپ طیبہ کو کال کرنے کی بات کر رہے تھے.....

ابھی ابھی تو آپ بقرعید کے لئے بکرا پسند کر کے لوٹے تھے.....

تھوڑی دیر ہوئی آپ نے عید کے لئے شاپنگ کی تھی.....

کچھ دیر پہلے تو آپ نے ناشتے میں بسکٹ لئے تھے.....

ذرا دیر ہوئی تھی آپ نے ممانی کو موبائل سے انکل طارق کا نمبر ڈائل کر کے دیا تھا.....

ابھی تو آپ مسکرائے تھے کہ ڈاکٹر نے میرے ناک کے اوپر آکسیجن ماسک لگا دیا ہے.....

سدا شرارتیں کرنا اور اندر سے سنجیدہ رہنا آپ کا خاصہ تھا

ابھی تو آپ نے ممانی سے کہا تھا کہ گھبرانا نہیں.....

ابھی .....بس ابھی .....اور ساتھ ہی آنکھیں بند کر کے ہمارے ہاتھوں سے ہنستے مسکراتے نکل گئے اور ہمیں پریشان کرنا بھی مناسب نہ سمجھا کہ ہمیں آپ کا شرارت بھرا ، مسکراتا ، محبت سے بھرپور چہرہ ہمیشہ یاد رہے ، جب آپ تابوت میں بند ہمارے سامنے آئے تو اس کی سکرین پر دھند کے قطروں نے آپ کا موت کی چادر اوڑھے ، خاموش چہرہ اوجھل کر دیا۔

اور پھر خدائے واحد نے آپ کی کعبہ کی دیواروں کے سائے تلے کی جانے والی دعا قبول فرمائی کہ ''مجھے کسی کا محتاج نہ کرنا'' جبھی تو آخری دن تک آپ کماتے ہوئے ، لوگوں کو ہنساتے ہوئے اور خود مسکراتے ہوئے دنیا سے رخصت ہوئے ۔ بے شک خدا اپنے بندوں کی سنتا ہے اور جس کی سنی جائے وہ محبوبِ خدا ہوتا ہے۔

ہماری فیملی کا ایک پرابلم ہے کہ اکثر افرادِ خانہ کو دل کی بے قراری ، طبیعت کی بے چینی اور ماحول کی بے رونقی سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ کچھ ہونے والا ہے !

دو ماہ پہلے جب داؤد پیدا ہوا تو نرس نے ہاسپٹل سے رخصت ہوتے وقت مجھ سے کہا تھا کہ آپ کے چہرے پر رونق نہیں ، اداس سی لگتی ہیں آپ ۔ حالانکہ بیٹا ہوا ہے آپ کو تو خوش ہونا چاہیے ۔ اس دن میرا واقعی رونے کو بہت دل کرتا تھا اور آپ کی وفات کی خبر تک مسلسل میرے دل میں بے رونقی سی تھی اور بات بات پر آنکھیں غم آلود ہوتی تھیں ۔ داؤد کی پیدائش سے پہلے مجھے خواب میں میری دادی جان ملی تھیں جو آپ کی سگی خالہ تھیں ، انہوں نے پہلے تو مجھے 10 روپے دیے پھر ان میں سے 2 روپے واپس لے لئے ۔ تب مجھے بہت فکر ہوئی تھی ۔ تو اس کی تعبیر کچھ یوں ہوئی ۔ داؤد کی پیدائش کے ایک ماہ بعد آپ انتقال کر گئے ۔

اور خود آپ نے بھی تو یہی کیا تھا اور پھر وہ حرف بہ حرف پورا ہوا وفات سے کچھ دن پہلے ہی تو آپ نے خالہ جان ثریا سے فون پر بات کی تھی اور کہا تھا کہ '' بکرے خریدنے گیا تھا یہ تو بہت مہنگے ہو گئے ہیں ۔ کیوں نہ اس بار میں اپنی قربانی دے ڈالوں ۔''

کبھی کبھی انسان کے منہ سے نکلی ہوئی بات یوں بھی پوری ہوتی ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے عین حج کے دن حج کے وقت جب حاجی خانہ کعبہ کے گرد محبت کے مارے پروانوں کی مانند طواف کر رہے تھے ، آپ کو اپنے پاس بلا لیا ۔ سبحان اللہ ! کیا عظیم دن اور عظیم لمحات میسر آئے آپ کو.....

لیکن ہمارے لئے ایک یاد ہو گئے آپ !

کیا آپ کو معلوم ہے کہ ابھی تو ہم ننھیال کا وہ انار نہیں بھول

پائے جس کے سرخ شگوفے ہمارے سروں پر منڈلاتے تھے کہ ہم چارپائی انار کے نیچے بچھا کر کھیلا کرتے تھے اور جس کے غلاف لپٹے پھل کے پکنے اور امی جان کے بازار سے واپس لوٹنے کا انتظار کرتے تھے۔ابھی تو رات کی رانی کا وہ قد آور پودا اپنے سفید ستاروں جیسے، خوشبو بکھیرتے ، رات کو معطر کرتے پھولوں سمیت ہمارے ذہنوں میں تازہ ہے۔

ابھی تو گلاب کے پودے، سرخ ،سفید اور کالے پھولوں سے بھرے پڑے ہیں۔

ابھی تو ہم گلاب کی پتیوں ،موتیا کے پھولوں اور انار کے سرخ شگوفوں کا ہار پرو رہے تھے۔

ابھی تو ہماری پیدائش کے صرف 22 دنوں بعد دادا جان کا چھوڑ کر جانا غم زدہ کرتا ہے۔

یہ تو کل کی بات ہے کہ دادو نے ہمیں آٹا گوندھنے سے پہلے ''بسم اللہ'' کہنا سکھایا تھا۔

ابھی تو نانی اماں کا ہماری شرارتوں سے منہ موڑ کر جانا نہیں بھولا۔

کچھ دیر کی ہی تو بات ہے جب نانا جان ہماری غیر موجودگی میں چپکے سے فرار ہو گئے ۔ابھی کچھ ہی وقت گزرا ہے امی جان نے راتوں کو جاگ کر ہمارا انتظار کرنا چھوڑ دیا۔

ابھی تو ابو جی کے دل کی بے وفائی کا دکھ ہے.....اور

دل! یہ دوسرا وار کیا ہے تم نے میری محبت پر.....اور دل کے اس وار کی وجہ سے ماموں جان آج آپ بھی ایک یاد ہو گئے اور ابو جی کے ساتھ آپ کی موت کتنی مشابہہ ہے۔آپ دونوں ہی محض چیک اپ کے لئے ڈاکٹر کے پاس گئے ۔ ہلکا سا ناشتہ کر کے، کنگھی اپنے ہاتھوں سے پھیر کر، اپنے پاؤں چل کر گاڑی میں بیٹھے اور جب واپسی ہوئی تو ایمبولینس پر! ایک جیتا جاگتا صحت مند انسان جب آپ کے سامنے صحیح سلامت رخصت ہوا اور ایک dead body کی صورت میں ایمبولینس پر سوار ہو کر واپس آئے تو کیا گزرتی ہو گی پیچھے رہ جانے والوں پر۔ ماموں جان اور ابو جی آپ دونوں نے یہ تو کبھی نہ سوچا ہو گا ناں!!

امی ابو کا رشتہ خون کے رشتوں میں سے سب سے اہم اور مقدم ہوتا ہے جس کے اظہار کے لئے الفاظ کی مدد کی ضرورت نہیں کیونکہ یہ ہوتا ہی عزیز ہے ۔ پائیدار محبتوں کو اپنے اظہار کے لئے الفاظ کی ضرورت ہوتی ہے اور ماں کے حوالے سے کچھ رشتے ایسے ہیں جو بہت عزیز ہوتے ہیں امی کے حوالے سے محض ہم نے ماموں کا پیار ہی دیکھا کیونکہ خالہ تو تھی ہی نہیں۔تو ماموں کا رشتہ بہت عزیز ہوتا ہے، بہت ہی عزیز!

مجھے یاد ہے جب میں جمعیت کے پروگرام میں شرکت کے لئے کراچی گئی تھی ۔ ہمارا قیام دو دن کے لئے تھا اور پروگرام شوریٰ کا تھا۔ آپ ادارہ نورِ حق آئے اور ساتھ گھر چلنے کو کہا۔ میں نے بہت کہا کہ ٹائم نہیں ملاقات تو ہو گئی ناں، آپ سے، تو کیا گھر جانا ضروری ہے لیکن آپ مسلسل اصرار کرتے رہے تو میں نے کہا کہ ناظمہ اجازت نہیں دیں گی۔آپ کہنے لگے کہ میں ناظمہ سے خود بات کر لیتا ہوں اور ساتھ ہی سیڑھیوں کی طرف بڑھنے لگے جدھر ہمارا پروگرام جاری تھا تو پھر کیا تھا مجبوراً مجھے خود ہی ناظمہ سے اجازت لیکر آپ کے ساتھ چلنا پڑا۔

جب کہانی سے اہم کہانی سنانے والا ہو تو سنانے والے کا فن سمجھیں کہ اس نے کہانی سے توجہ ہٹا کر خود اپنی ذات کی طرف کر لی ہے ہم سب بچوں کو جب آپ کہانی سنایا کرتے تھے تو اس میں ایک لمحہ ایسا ہوتا جس میں آپ کہتے ، جو جن تھا اس کی ناک اتنی بڑی تھی اور ساتھ ہی آپ بازو پھیلا کر دونوں طرف بیٹھے ہوئے بچوں کو پیچھے کی طرف گرا دیتے اور ہم سب ہنسی سے لوٹ پوٹ ہو جاتے اور گھر کے دیگر بڑے بھی کن اکھیوں سے دیکھ کر مسکرائے بغیر نہ رہ سکتے۔ پھر ہماری توجہ کہانی کی طرف کم اور ماموں جی کی طرف زیادہ ہوتی کہ کب آپ ڈرائیں گے اور کب ہم گر جائیں گے اور پھر ہم سے آپ کا کراچی چلے جانا بالکل برداشت نہ ہوتا اور ہم کئی دن اداس رہتے ۔اس دفعہ بھی آپ آئے اور کہانی سنائے بغیر ہی رخصت ہو گئے ۔ نہ آپ نے بازو پھیلائے نہ ہاؤ ہوو کی ، نہ ہم ڈرے بلکہ خاموشی سے کھڑے آنسو

بہاتے رہے.....اور ہم کر ہی کیا سکتے تھے۔

آپ کو پتہ ہے ماموں جان.....

کہ ہم ممانی جان کو اسٹیشن پر رخصت کرنے گئے تھے۔ سب کچھ ویسا ہی تھا۔ وہی راستے، وہی بائی پاس ریل کی پٹڑی، خوانچہ فروشوں کا رش، خالی پٹڑی پر دور سے آتی ریل کو گھورتی مسافروں کی نگاہیں، سامان سے بھرا پلیٹ فارم، آنے والی ریل میں بیٹھے مسافروں کی تھکاوٹ، اترنے چڑھنے کی جلدی.....سب کچھ ویسا ہی تھا لیکن آہستہ آہستہ رینگتی ریل گاڑی کے دروازے پر وہ مسافر نہیں کھڑا تھا جو پلیٹ فارم پر کھڑے اپنوں کے مغموم چہروں سے اداسی ہٹانے کے لئے دور تک ہاتھ ہلاتا جاتا تھا اور جب گاڑی کی رفتار بڑھتی اور اپنوں کو وہ دور ہوتا یا رومال ہلاتا وجود ایک نقطے کی طرح دکھائی دیتا تھا۔ افسوس ہے کہ اب ریل گاڑی کے دروازے میں وہ ہمیں کبھی دکھائی نہیں دیا کرے گا۔

ماموں جان! ابھی تو آپ کے بڑے بھانجے تقی کو حج سے واپس آنا تھا۔

ابھی تو چھوٹے بھانجے صفی کے دبئی سے واپس آنے میں چند دن باقی تھے

ابھی تو بھتیجے عمران کو یونان سے واپسی میں کچھ وقت درکار تھا۔

کیا اسی دن کے لئے آپ نے انکو لوریاں سنائی تھیں کہ جب وہ بڑے ہو جائیں اور انکے بازوؤں میں اتنی قوت ہو گی کہ وہ آپ کے جنازے کو کندھا دے سکیں تو آپ انہیں ان کے بازوؤں کی طاقت آزمانے کی مہلت بھی نہ دیں گے؟ اور ساری ذمہ داری ماموں جان ظفر اور بھتیجے عدنان پر ڈال کر چپکے سے رخصت ہو لئے!

ابھی تو بیٹوں کو شرمسار ہونے میں کچھ وقت درکار تھا۔

ابھی تو کالا کبوتر، تتلی اور بلی کو یہ بتانا باقی تھا کہ دادا ابا کی شفقت کیا ہوتی ہے.....

ابھی تو عبداللہ اور علی کی اٹھتی جوانی دیکھنا باقی تھی۔

ابھی تو محمد اور موسیٰ کا پہلا بچپن دیکھنا باقی تھا۔

ابھی تو زارا کی میٹھی باتیں سننا باقی تھا۔

ابھی تو یشع اور داؤد کو پہلا پیار کرنا باقی تھا

اسی لیے تو کہتی ہوں کہ.....

ذرا جو تم ٹھہر جاتے

کوئی تدبیر کر لیتے

قیامت کو ملیں گے!

۱۶ستمبر۲۰۱۰ء بروز جمعرات بعد نمازِ مغرب ایک غمناک خبر سُنی کہ سید معین عارف کے جواں سال صاحبزادے حافظ محمد مکرم داغِ مفارقت دیکر مالکِ حقیقی سے جا ملے ان کی شہادت ۲۸ رمضان المبارک کو سڑک کے حادثے میں ہوئی۔ یہ جواں سال بچہ میری اہلیہ کی منہ بولی بہن کا لختِ جگر تھا۔ میری بھی اس ناطے بچوں اور انکے والدین سے بے حد وابستگی تھی۔ اس نازک سے رشتے سے میں اتنا جذباتی ہوگیا تھا کہ یہ سمجھ نہیں آرہی تھی کہ کیسے مرحوم کے والدین سے ملوں۔ مجھ پہ عجیب کیفیت طاری تھی۔

خیر میں بڑے بوجھل دل سے چل پڑا۔ راستے میں استغفار پڑھتا جا رہا تھا، دل و دماغ پرغم کے گہرے بادل چھائے تھے دل ہی دل میں سوچ جاری تھی کہ اس کے والدین پر اس وقت کیا گزر رہی ہو گی! ساتھ ہی اپنے آپ سے بھی ہمکلام تھا کہ ابوأسامہ! اگر بچے کسی کام سے گھر سے باہر گئے ہوں تو تھوڑی سی تاخیر پہ تم تو گھر میں عجیب شوروغوغا مچا دیتے ہو۔ دل و دماغ پہ اتنی پریشانی طاری کرتے ہو کہ آسمان سر پر اٹھا لیتے ہو۔ گھر کے تمام افراد کو ایک کرب میں مبتلا کر دیتے ہو۔ صبر نام کی کوئی چیز تمہارے اندر دکھائی نہیں دیتی۔ اللہ کے فضل سے جب بچے بخیریت گھر لوٹ آتے ہیں تو تمہاری تسلی ہوتے ہوتے اچھا خاصا گھر بے سکونی کی تصویر بن جاتا ہے۔ یہ سوچ بہت ہی دُکھی کر رہی تھی کہ حافظ مکرم نے تو قیامت کی صبح تک واپس نہیں آنا۔ دل خون کے آنسو رو رہا تھا۔

اسی اضطرابی کیفیت میں سید معین عارف صاحب کے گھر پہنچنے پہ شہید کے ماموں اکرام علوی سے ملاقات ہوئی۔ اُن کے چہرے پہ کمال درجے کا اطمینان پایا۔ ایک دو جملوں کے تبادلہ سے پتہ چلا کہ ڈاکٹروں نے دوپہر سے کہنا شروع کر دیا تھا کہ مکرم کی حالت بگڑ رہی ہے اور پھر نمازِ مغرب کے وقت انکا انتقال ہوگیا (اِنَّا لِلّٰہِ)

پھر میں سید معین عارف کے قریب پہنچا۔ انکے اردگرد محلّہ دار، دوست احباب و عزیز و اقارب بیٹھے تھے۔ لوگ ان سے بیٹے کی جدائی کی رُوداد سننا چاہ رہے تھے۔ وہ بڑے ہی صبر و حوصلے کیساتھ اپنے لختِ جگر کی دائمی روانگی کو بیان کر رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ انہیں اس کڑے صبر کا بہترین صلہ عطا فرمائے۔ (آمین)

گھر میں سعیدہ بہن (مرحوم کی والدہ) کے پاس بہت سی خواتین بچے کی موت کا سنکر افسوس کے لئے آ جا رہی تھیں۔ میں یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا اور اپنے دل کی اضطرابی کیفیت کو سنبھالا دے رہا تھا کہ اتنی خاموشی کہ سوائے انسانی سانسوں کے اور کوئی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔

راقم الحروف کا تعلق ایک گاؤں سے ہے اور ۵۰ کی دہائی کا جنم ہے میرے بچپن سے آج تک کی زندگی میں گاؤں اور اس گھرانے کا منظر میرے سامنے تھا۔ گاؤں میں اگر کوئی جواں موت ہوتی تو والدین، بہن بھائیوں کے علاوہ رشتہ دار و محلّہ دار کیسے کیسے قصیدے اور بین کرتے نظر آتے۔ آج وہی ریل میرے دماغ میں چل رہی تھی! اور ایک یہ عظیم الشان گھرانہ ہے کہ راضی برضائے الٰہی۔ مردوں اور نہ ہی عورتوں کی طرف سے کوئی ایک لفظ نکل رہا تھا۔ کیونکہ یہ لوگ جانتے ہیں کہ صبر ایک مشکل ترین عمل تو ہے لیکن یہ بڑے اولعزم اور اللہ کے محبوب بندوں کا شیوہ ہے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے آقاؐ سے اجر پانے کا تہیہ کر لیا سبحان اللہ!

اگلے روز جمعۃ المبارک کو جنازہ اٹھا تو یہ مرحلہ بھی عام روایت

سے بالکل ہی مختلف تھا میں سوچ رہا تھا کہ اس موقع پر تو صبر کے تمام بند ٹوٹ جائیں گے کیونکہ اکثر جگہوں پہ میت اٹھنے کے وقت ایک عجیب کہرام مچ جاتا ہے اور ہر طرف سے اپنے اپنے جذباتی لگاؤ کی صدائیں گونجتی ہیں اور باہر اطلاع ملتی ہے کہ ماں پہ غشی کے دورے پڑ رہے ہیں وغیرہ۔ میں ششدر رہ گیا کہ یہاں تو اس موقع پر بھی صبر کا دامن کمال مضبوطی سے تھاما گیا۔ ایک جید عالم و عاملِ دین شخصیت ڈاکٹر اسلم صدیقی صاحب نے نمازِ جنازہ پڑھائی ۔ حافظ ادریس صاحب (جماعت اسلامی کے سینئر رہنما) نے جانے والے کے حق میں گواہی دی کہ یہ بچہ واقعی نیک سیرت انسان تھا اور دعا فرمائی کہ یاالہٰ العالمین حافظ مکرم کی اگلی منزلیں آسان فرمادے آمین۔

میں نے حوصلہ کر کے شہید کے چہرے کا دیدار کیا ایسا پُرنور چہرہ اور کیسی خوبصورت نیند وہ سو رہا تھا کہ عجیب اطمینان نصیب ہوا۔ مجھے جینے کا مثبت سبق ملا۔ پھر میں اپنے آپ سے مخاطب ہوا کہ تو یہ چند بے ربط و ٹوٹے پھوٹے الفاظ لکھ دیے، شاید تیری طرح کا کوئی سماجی بندھنوں میں جکڑا انسان راہِ راست پر آجائے!!

میں دل کی گہرائیوں سے دعا گو ہوں کہ اللہ رب العزت مرحوم کے لواحقین بالخصوص والدین و بھائیوں کو مزید حوصلہ، ہمت اور صبر عنایت فرمائے، انکے صبر کا بہترین اجر عطا فرمائے ہمیں بھی انکے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق بخشے۔ آمین ثم آمین

آدابِ میزبانی

مہمان اور مسافر کا اکرام ہماری شاندار تہذیبی روایات کا حصہ ہے

مسافر، رب کا بڑا لاڈلا ہوتا ہے۔ مسافر کے لئے اللہ تعالیٰ نے بڑی مراعات کا اعلان کیا ہے اور لوگوں کو بھی اس کے اعزاز و اکرام کی خاص تلقین کی ہے۔

مسافر کو نماز قصر کی رخصت اور آسانی دی گئی۔ سفر کیا ہی آرام دہ کیوں نہ ہو، قصر نماز کی سہولت سے فائدہ اٹھانے کی تلقین ہے۔ قصر حنفی مسلک میں 54 کلومیٹر کے سفر کے بعد، یا 15 روز سے کم قیام پر ہے اور اگر نیت اور پروگرام بدلتا رہے تو دن کیا مہینوں بھی قصر کا فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔

بسا اوقات محسوس ہوتا ہے، شاید آج کے جدید ہوائی سفر کی سہولتوں میں قصر کی سہولت نہ بھی ہو تو زیادہ فرق نہ پڑے۔ مگر آپ بیتی ہو تو آپ مسافر کی اس ذہنی پریشانی کا ادراک کر سکتے ہیں جس کا اظہار مسافر کی کئی حرکات وسکنات سے ہوتا ہے۔ مسافر کے لئے، اس کیفیت میں بھی قصر نماز ایک سکون اور خوراک کا سا کام کرتی ہے اور ایک باقاعدگی سے نماز ادا کرنے والا فرد بھی نماز قصر کی سہولت پر طمانیت محسوس کرتا اور اس کو بیان کرتا ہے۔

مسافر کیمیز بانی اور اس پر خرچ کرنے کی مثال ہمیں قرآن پاک میں حضرت ابراہیمؑ کے اسوے میں بھی ملتی ہے جب فرشتے ان کے ہاں انسانی شکل میں پہنچے تو انہوں نے اُن کے اعزاز میں بچھڑا زبح کیا اور مہمان نوازی کے طور پر پیش کیا۔ غالباً یہ اپنی حیثیت کے مطابق یا اُس سے بڑھ کر ہی ہوگا۔

احادیث میں بھی مہمان کی خدمات واکرام وخاطر مدارات کی تفصیل ملتی ہے نبی ﷺ کا اسوہ بھی اس کی مثال ہے۔ امام غزالی لکھتے ہیں کہ رب کی رضا کے لئے مہمان پر جو مال خرچ کیا جاتا ہے وہ صدقے وخیرات کے طور پر لکھا جاتا ہے۔

مسافر کی مالی ضروریات پورا کرنے کی طرف بھی توجہ دلائی گئی ہے مسافر اپنے مقام پر صاحب نصاب بھی ہو یعنی زکوٰۃ ادا کرتا ہو، پھر بھی اگر دوران سفر اس کی مالی حالت ایسی مخدوش ہو جائے تو اس کو زکوٰۃ ادا کی جاسکتی ہے۔

مہمان کے جذبات واحساسات کا خیال رکھنا بھی مہمان نوازی میں داخل ہے مہمان کو وقت دینا بھی اس کی ایک جہت ہے۔

یہ سب مسافروں کے لئے ہے۔ اس کی بنا پر یعنی اسلام کے دور شوکت وحکمرانی میں مسافروں کے قیام وطعام کا خاص انتظام کیا جاتا۔ سرائے یا ہوٹل قائم کئے جاتے جہاں کے تمام اخراجات حکومت کی ذمہ داری ہوتی۔

مسافر کو بھی تلقین کی کہ میزبان کے ہاں بغیر ضرورت قیام سے بچے۔ تین دن کی خاطر مدارت کے بعد، گھر والوں کے معمولات ومعیارات پر مطمئن رہے۔ ان کے لئے کسی طور بھی بوجھ اور وجہ زحمت نہ بنے۔

وہ مسافر جو رب کی رضا کے لئے نکلتے ہیں، اس کے دین کی سر بلندی کے لئے، علم حاصل کرنے، یا رب کے خاطر ملاقات کرنے کے لئے نکلتے ہیں وہ تو پھر ضیوف الرحمٰن بھی ہیں.....اللہ کے مہمان! جو بڑے ہی محترم ٹھہرتے ہیں اور بہت ہی محبوب ہونے چاہئیں۔ اپنے قریبی رشتہ داروں سے بڑھ کر محبت واعزاز کے مستحق ہیں۔ وہ جن کے لئے فرشتے پر بچھا دیتے ہیں، جن کا ذکر اللہ اپنی محفل میں کرتا ہے۔ جن کو روز قیامت اپنے سایہ میں جگہ دے گا۔ ان کا استحقاق بدرجہ اولیٰ ضروری ہے۔

مسافر کی ضروریات کو اپنی ضروریات پر ترجیح دینے کا اصول بھی قرآن پاک میں اس صحابی کی تعریف سے ہوتا ہے، جنہوں نے چراغ بجھا کر اپنے مہمان کو کھلایا۔

گھروں میں انفرادی مہمانوں کے لئے غالباً اہتمام ہوتا ہے۔ تاہم اپنے بچوں کو بھی یہ قدریں اور یہ اہمیت بتانے کی ضرورت ہے اور نیت خالص رکھنے کی طرف توجہ دلائی جاتی رہنی چاہیے۔☆☆

ایمان بچائے رکھنا

بیمار اور پریشان شخص کو چاہے کوئی کسی بھی بندگلی میں لے جائے وہ چل پڑتا ہے

''اور (اللہ نے) آدمؑ کو ہر (چیز کے) اسماء کا علم سکھایا''

بے شک اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو ہر چیز کا علم سکھایا۔لیکن غیب کا علم اس نے اپنے پاس ہی رکھا۔آنے والے لمحات میں ہمارے لئے کیا چھپا ہوا ہے وہ بالکل سیپ میں بند موتی کی طرح ہی ہے۔اس کی پوشیدگی اس کی آگاہی صرف اور صرف اُسی ربِ عظیم کے قبضۂ قدرت میں ہے کہ جس کے حکم کے بغیر ایک پتہ بھی حرکت نہیں کرتا۔

عرفان و معرفت سے بھری ہوئی اس کائنات میں رب ذوالجلال کی مخلوق نے رنگ برنگی دکانیں سجا رکھی ہیں جن کا حقیقت سے دور دور تک کا کوئی واسطہ نہیں ہوتا۔اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ وہ کسی بھی شخص پہ اس کی ہمت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا کہ ظلم اُس پیاری ذات نے اپنے اُوپر حرام کر رکھا ہے۔ہماری ضعیف الاعتقادی ،ایمان کی کمزوری انتہا کی آخری حدوں کو چھُو رہی ہے کہ معمولی سا مسئلہ،کوئی آزمائش کی گھڑی ،طویل بیماری کو ہم یوں ''اسرار حیات'' سمجھنے لگتے ہیں کہ پوری زیست ہی پراسرار ہو کر رہ جاتی ہے۔

بیمار اور پریشان انسان آدھے سے زیادہ پاگل اور باؤلا ہوا ہوتا ہے۔کوئی اس کو کسی بھی بندگلی میں لے جائے وہ چلا جائے گا۔اب یہ جانے والے کی قسمت کہ وہ کسی صحیح معالج کے پاس لے جایا جاتا ہے یا غیب کا علم جاننے والے ''عقلِ کُل'' کسی ڈبہ پیر یا پیرِ اعظم کے پاس۔

میری اپنی والدہ صاحبہ جو کہ کافی عرصہ سے بیمار ہیں (اللہ تعالیٰ انہیں صحت کاملہ عطا فرمائے) کم وبیش اٹھارہ برس کا طویل عرصہ سے وہ بیماری سے برسرِ پیکار ہیں۔مجھے ایک خاتون محترم نے کہا کہ آپ ان کا روحانی علاج کروا کے دیکھیں ، ہو نہ ہو کچھ مسئلہ ضرور ہے ورنہ اتنا اچھا علاج اتنی اچھی خوراک اور نتیجہ صفر اور ساتھ ہی انہوں نے ایک دو بڑے معتبر قسم کے ''معالجوں'' کا ذکر کیا۔ہم نے بھی آؤ دیکھا نہ تاؤ کمر کس کر پہنچ گئے۔

وہاں کسی نورانی باریش بزرگ کی جگہ ایک ادھیڑ عمر سی آنٹی بیٹھی تھیں۔تصور کی دنیا کچھ تہہ و بالا ضرور ہوئی تھوڑی سی سرزنش ضمیر محترم نے بھی کی مگر ہم نے سنی ان سنی کر دی کہ بس والدہ صاحبہ کو آرام آنا چاہیے۔والدہ صاحبہ کا دوپٹہ محترمہ نے دیکھا اور بڑی رقت آمیز آواز میں کہا! بیٹا بہت دیر کر دی ہے،ان پہ بڑا زبردست ''وار'' ہو چکا ہے۔قبر کے سرہانے ایک تعویذ دبایا گیا ہے کہ ان کا ایک ایک عضو (اللہ رحم کرے) ناکارہ ہو جائے۔میں نے کہا ہم وہ تعویز نکال لیتے ہیں۔وہ آنٹی گویا ہوئیں نہ نہ بیٹا کیا بیوقوفی کی باتیں کرتی ہو،وہ تعویز اب بہت بوسیدہ ہو گیا ہے اس کو اگر اپنی جگہ سے ذرا سا بھی ہلایا تو آپکی والدہ کو کچھ بھی ہو سکتا ہے (اللہ نہ کرے) آپ بیٹا اگر علاج کروانا چاہتے ہو تو ۵ ہزار کا بندوبست کرو انشاءاللہ وہ ٹھیک ہو جائیں گی۔

اب ہمیں تو امی جان کی صحت کے سامنے پانچ ہزار کچھ نہیں لگا۔پھر جہاں زندگی اور موت کا مسئلہ ہو۔ہم نے گھر آ کر بھائی سے بات کی وہ بولا ذرا مجھے اس کا نام تو بتانا جس نے امی جان پہ یہ تعویز کروائے ہیں ، پیسوں کا کوئی مسئلہ نہیں۔اُس آنٹی نے نام تو بتانا گوارہ نہیں کیا لیکن خوف اتنا دلایا کہ انسانوں کے روپ میں جن بھوت ہی پھرتے ہیں۔لیں جی اس بات کو کم وبیش کوئی دس سال گذر چکے ہیں۔ماشاء اللہ سے میری امی جان حیات ہیں اللہ تعالیٰ ان کا سایہ ہمیشہ ہمارے سر پہ قائم رکھے آمین۔

چھوٹی بہن کے کڑے گم ہو گئے ،میاں صاحب کسی معتبر بابے کے پاس گئے تو انہوں نے کہا کوئی مسئلہ نہیں مل جائیں گے صرف

زعفران لے آؤ، اُس سے لکھ کر پتہ چلے گا۔ اب میاں اُس ویرانے میں حیران کھڑے ہیں یہاں زعفران کس جن سے منگواؤں۔ میرے پاس تو مؤکل بھی نہیں۔ اب میاں صاحب کا چہرہ کھلی کتاب کی طرح اندر باہر کی تحریر سنا رہا تھا وہ محترم فرماتے ہیں آپ پریشان نہ ہوں، صرف ۵۰۰ مجھے دیں کام ہو جائے گا۔ اب رانا صاحب کو شاید ۵۰۰ زیادہ لگے فرمایا بابا جی! میں کل لے کر آؤنگا۔

کل کی نوبت آنے سے پہلے ہی کڑے آٹے کی ڈرم کے نیچے سے مل گئے جو خود ہی رکھے تھے اور کسی بچے سے پچھلی طرف گر گئے۔ ایک ملنے والی عزیزہ ہیں، وہ تو ہم سے بھی کوئی دس قدم نہیں دس میل آگے ہیں کہ مابدولت تو خود کو انکے سامنے خاصے باشعور اور سمجھدار سمجھنے لگے ہیں۔ ان کے بچے کو چھینک آجائے تو فوراً تعویز لائیں گی، دھونی رمائیں گی۔

بچے کے سر میں درد رہتا تھا۔ بیچارے کی نظر کمزور ہو گی مگر انہوں نے اس کو آسیب میں مبتلا کر کے چھوڑا۔ ایک ہی دن میں تسلسل کے ساتھ کلاک کا شیشہ ٹوٹ گیا پھر کسی فنی خرابی کی وجہ سے پنکھا بھی زمین بوس ہو گیا بس جی وہ محترمہ تو ٹینشن کے مارے بستر سے لگ گئیں کہنے لگیں ''یا اللہ!! یہ پھر کسی کو تکلیف ہو گئی ہے۔ میرے نازک سے آشیانے کے پیچھے سسرال والے ہاتھ دھو کر پڑ گئے ہیں۔

اسی طرح ایک اور معروف بزرگ کے پاس جانا ہوا جن کے ایک سوال کا ریٹ ۱۰۰ روپے ہے۔

ایک خاتون سوال کر رہی ہیں، بچے کہنا نہیں مانتے، میاں بات دھیان سے نہیں سنتا، شریکہ بیڑہ غرق کر رہا ہے۔

دوسری بولی، میرا بھائی پہلے بہت اچھا تھا میرے ساتھ۔ جیسے اس کی بیوی آئی ہے کسی جوگا ہی نہیں رہا ہے صرف اسی کلموہی کے پیچھے لگا رہتا ہے۔

تیسری بولی، بابا جی دس سالوں سے آپ میرے مسائل حل کر رہے ہیں۔ کوشش کریں میرا داماد بیٹی کو اپنے ساتھ باہر دبئی لے جائے۔ آپ کو خوش کر دینگے۔ ہال نما کمرہ عورتوں سے ہی نہیں مردوں سے بھی بھرا پڑا تھا۔ جنہیں دیکھ کر کچھ حوصلہ ہوا کہ چلو مردوں اور عورتوں کی عقل کا توازن ایک جیسا ہو گیا ہے۔ ورنہ تو ہمیشہ عورتوں کو ہی کم عقل، فرسودہ ذہن، ضعیف الاعتقاد کے لقابا سے نوازا جاتا ہے۔

ایک آدمی کہہ رہا تھا۔ بابا جی، صاحب نے بڑا تنگ کرنا شروع کر دیا ہے، اس کا علاج کریں۔

دوسرا بولا بابا جی! میری زمین کا سودا نہیں ہوتا ہے

تیسرا کہتا ہے بابا جی! میرا گھر میں دل نہیں لگتا۔ گھر میں جاتے ہی سر میں درد شروع ہو جاتا ہے۔

اسی طرح کے بے شمار مسائل، مابدولت کا دل چاہے کاش کوئی سلیمانی آنچل ہو کوئی سلیمانی انگوٹھی ہو تو پہن کر مؤکل بن کر ان کے سوالوں کا جواب دُوں کہ بھائی میرے! صاحب کے معاملات میں ٹانگ نہ اڑاؤ وہ تنگ نہیں کرے گا، زمین کا سودا اس لئے نہیں ہو رہا کہ پراپرٹی کا کام مندا ہے آجکل، گھر جاتے ہی سر درد اس لئے شروع ہو جاتا ہے کہ جاتے ہی بے شمار مسائل محدود وسائل کی وجہ سے حل نہیں ہو پاتے۔

ایک اور بابا جی ہیں وہاں آپ کو بولنا نہیں پڑتا۔ صرف اپنے کپڑے میں اپنا سوال رکھ کر دے دیا جاتا ہے۔

اگر میاں بیوی کی بہت انڈر سٹینڈنگ ہے پھر بھی کہا جاتا ہے بیوی نے تعویذ کروا دیئے ہیں یعنی لڑائی بھڑائی ضروری ہے۔ پیار محبت سے رہنا کسی کو اچھا نہیں لگتا۔

یہ طبقہ بھی ہمارے حکمرانوں سے ہی ملتا جُلتا ہے کہ تعویز دھاگے کا کام نسل در نسل چلتا ہے پہلے باپ پھر بیٹا، پھر پوتا، وہ بھی عوام کی کمائی پہ اپنا پورا حق سمجھتے ہیں اسی طرح یہ بھی سادہ لوح عوام کی جیبوں سے پیسہ نکالنے کا فن جانتے ہیں۔

آنکھوں کے سامنے، آوارہ اور بدقماش نوجوان دنوں میں بھیس بدل کر تاش جوا کھیلتے کھیلتے وہیں پہ روحانی علاج معالجے کا آغاز کر دیتے ہیں کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔

ایک بزرگ کے پاس جانے کا اتفاق ہوا۔ میرے دونوں بچے

ساتھ تھے۔ جب انہوں نے اس خدائی مخلوق کو ہر مسئلے کا حل وہاں سے پوچھتے سنا تو میرا بیٹا عبداللہ کہنے لگا، امی جان! بابا جی سے کہیں مجھے نو کا پہاڑہ نہیں یاد ہوتا دم کر دیں۔ بیٹی مستبشرہ کہتی ہے، بابا جی میری امی کو بھی دم کر دیں ہمیں سکول نہ بھیجا کریں۔

بابا جی بیچارے بھی مہنگائی کے ہاتھوں کافی ستائے ہوتے تھے ۔ باقاعدہ ان کو دیوار پر لکھ کر لگانا پڑا کہ چینی پتی بھی کبھی کبھی لے آیا کریں۔ شاید مؤکلوں کو بھی چینی نہیں ملتی۔

واقعات تو بہت سے ہیں کہ صفحات کم پڑ جائیں۔ اللہ تعالیٰ سب کو ہدایت کا راستہ دکھائے۔ کہ وہ تو کہتا ہے کہ مانگنا ہے تو صرف مجھ سے مانگو۔ جوتے کا تسمہ بھی ٹوٹ جائے تو میرے سے مانگو۔ جہاں بار بار مانگنے سے شرم بھی محسوس نہیں ہوتی اور وہ بن مانگے دیتا بھی ہے۔ بہت سے مسائل سماجی اور معاشرتی ہیں جو ہمارے اپنے پیدا کردہ ہیں اور ہمیں خود ہی حل کرنے ہوتے ہیں نا کہ ان ڈرامہ باز کرداروں نے جو ہمیں شرک کی حد پہ لے جاتے ہیں۔

چند واقعات آپ کے گوش گزار کئے ہیں اس آئینے میں اگر کسی کو اپنا عکس نظر آئے تو ہم معذرت خواہ ہیں۔ مماثلت صرف آپکی اپنے ضمیر کی آواز سے ہوگی ہم نے کسی کی طرف اُنگلی نہیں اٹھائی۔

بڑھاپے کے دو ساتھی.....فرصت اور تنہائی

ان سے کیسے نبرد آزما ہوں؟ دس بہترین اصول جو آپ کی مدد کریں گے

اولاد نیک ہے، فرمانبردار اور خدمت گزار ہے الحمدللہ۔ پیسے کی کمی نہیں ہے اللہ کا شکر ہے۔

صرف تنہائی اور فرصت آپ کا مسئلہ ہے اس کے حل کے لئے چند تجاویز:

(۱) نماز کی پابندی کریں۔

مرد ہیں تو پانچ وقت مسجد میں جا کر نماز پڑھیں اور اپنے ساتھی نمازیوں سے دوستی کریں، سلام کریں، حال احوال پوچھیں، دکھ درد بانٹیں، ان کی خوشی اور غم میں شریک ہوں۔ کبھی کبھی ان کی دعوت کریں، ان سے ملنے جایا کریں۔ اکٹھے ہو کر ایک میل روزانہ سیر کیا کریں۔

(۲) دوستی کریں اور اسے نبھائیں اس کے لئے چند اصول یاد رکھیں۔

- ہمیشہ سلام میں پہل کریں۔
- ہمیشہ مسکرا کر ملیں۔
- تسلی دیں، دل جوئی کریں، دوست کا مسئلہ غور سے سنیں اور جو حل درست لگے وہ مشورہ دیں
- جتنا وہ بتا دیں کافی ہے زیادہ سوال نہ کریں ایسا نہ ہو کہ اگلے کا دل دکھ جائے اس عمر میں دل بہت نازک ہو جاتے ہیں۔
- ان کے راز کی حفاظت کریں کسی دوسرے سے ذکر نہ کریں۔
- بیمار ہو جائیں تو مزاج پرسی اور عیادت کیلئے تشریف لے جائیں جو خدمت یا ضرورت ہو وہ انجام دیں۔
- احسان نہ جتائیں۔
- اگر آپ بیمار ہوں اور وہ پوچھنے کے لئے نہ آسکیں (وجہ کچھ بھی ہو) آپ گلہ نہ کریں۔ ہرگز شکوہ نہ کریں اس طرح آپ دوستوں سے محروم ہو جاتے ہیں۔ یہ ناشکری ہے دوست آپکو چھوڑ دینگے اور آپ تنہا رہ جائینگے یاد رکھیں روٹی کے بعد انسان کا سب سے بڑا دکھ تنہائی ہے۔

(۳) اچھی کتابوں کا مطالعہ کریں کتابیں بہترین دوست ہوتی ہیں۔

(۴) کچھ وقت بچوں کے ساتھ گزاریں ان کو ہوم ورک کرا دیں، ان کو لے کر چڑیا گھر یا پارک چلے جایا کریں، راستے میں انہیں کہانیاں، لطیفے، نظمیں اور نصیحت آموز تاریخی واقعات سنایا کریں۔ اپنے تکیے کے نیچے ان کے لئے کینڈی یا چاکلیٹ ضرور رکھیں۔ وہ جب بھی آپکے کمرے میں آئیں آپ بیزاری کا اظہار نہ کریں، پیار سے بلائیں، نرمی سے بات کریں، کھانے کے لئے کچھ دیں۔

آپ کے بستر میں سونا چاہیں تو ضرور سلائیں یہ آپ کے لئے ضروری ہے۔ آپ کو قربت ملے گی اور بچوں کو تحفظ ملے گا۔ ان میں اعتماد آئیگا، اور وہ بہتر انسان بن سکیں گے۔

(۵) خود کو ناکارہ نہ بنائیں۔

بڑھاپے کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ آپ ساری ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہو گئے ہیں، ابھی سانس چل رہی ہے۔ آنکھیں دیکھ رہی ہیں، اعمالنامہ لکھا جا رہا ہے تو نیک اعمال بھی تو لکھوائے جا سکتے ہیں اس لئے گھر میں کوئی بھی ایسا کام دکھائی دے جو آپ کر سکتے ہیں تو ضرور کرتے رہیں۔ لائٹ آف کر دیں۔ بستر کی چادر ٹھیک کر دیں۔ پانی کا نل کھلا ہے تو بند کر دیں دروازے پر بیل ہوئی ہے تو جا کر دیکھ لیں۔ اپنے آپ کو کمرے تک محدود نہ رکھیں چلتا پھرتا رکھیں۔

گھر میں مہمان آجائے، بہو یا بیٹی انکی میزبانی میں مصروف ہے تو آپ بچوں کو سنبھالیں۔

(۶) اپنے رویے کو مثبت رکھیں۔

- سوال نہ کریں، اعتراض نہ کریں، تنقید نہ کریں، نقص نہ نکالیں، شکایت نہ کریں، غصہ نہ کریں، ناراض نہ ہوں، معاف کر دیا کریں۔

• ہمیشہ مسکراتے رہیں، اس پہ کچھ خرچ نہیں آتا لیکن آپ کے ماحول اور آپ کی روح کو خوشی اور اطمینان سے بھر دیتا ہے۔

• طنز نہ کریں۔

• اپنے چھوٹے چھوٹے کام دوسروں سے کہنے کی بجائے خود کرلیں۔

• آپ اپنے کمرے میں تھے کوئی دوست آیا اور آپکو ملے بغیر چلا گیا تو رنج نہ کریں۔ کوئی بات نہیں پھر ملاقات ہو جائیگی۔ خفگی رنج، منفی سوچ، شکوے شکایات، بڑھاپے کے عمل کو تیز تر کر دیتے ہیں۔

• جس محفل میں آپ کو لگے کہ آپ کی ضرورت نہیں ہے وہاں سے اٹھ جائیں۔

• بغیر طلب کے مشورہ نہ دیں، دخل نہ دیں، رائے نہ دیں۔

• کبھی نہ کہیں کہ آج پالک کیوں پکائی ہے میں نے بریانی کھانی ہے۔ جو مل جائے خوشی سے کھالیں۔ اس کی تعریف کریں شکریہ ادا کریں۔ آج دال ملی ہے تو کل چاول بھی مل جائینگے۔

• صبر، عاجزی، درگزر، صلہ رحمی اور خوش رہنا اپنی عادت بنالیں۔

• آپ کی ذات سے کسی کو تکلیف نہ ہو، آپ کسی پہ بوجھ نہ بنیں، آپ کسی کو تنگ نہ کریں، آپ بے جا فرمائش نہ کریں۔

• کوئی بچہ وعدہ کر کے بھول گیا ہے تو اسے بار بار یاد کروا کے شرمندہ نہ کریں۔

(۷) خود کو ڈسپلن کریں۔

• پاک صاف رہیں، روزانہ غسل کی عادت ڈالیں۔

• مرغن غذائیں کم کردیں، سبزی، دال، سلاد زیادہ استعمال کریں۔ مرغن کھانا ہو تو دوپہر کو کھائیں۔

• دوپہر کو آرام کرنے کی عادت ڈالیں، نیند آجائے تو اچھا ہے لیکن نہ بھی آئے تو لیٹ جایا کریں تاکہ شام کو آپ قدرے تازہ دم ہوں۔

• رات کو جلدی سو جائیں۔ دس بجے کے بعد بالکل نہ جاگیں کیونکہ اس عمر میں آپ کا بدن اس قسم کی بے اعتدالی کو معاف نہیں کرے گا۔

• اس عمر میں نیند کم ہو جاتی ہے چھ گھنٹے بھی پورے ہو جائیں تو تندرستی کیلئے کافی ہے۔

• نیند کی دوائی کھانے سے گریز کریں۔ نیند نہ آرہی ہو تو کمرے میں ہی چہل قدمی کرلیں یا کوئی کتاب پڑھ لیں، تسبیح کرلیں، تلاوت کرلیں.....انشاءاللہ نیند آجائیگی۔

(۸) دو باتوں کا سب سے زیادہ خیال کیجئے:

اس عمر میں آپ نے سب سے زیادہ دو باتوں کا خیال رکھنا ہے ایک اپنی صحت کا تاکہ آپ کسی کے محتاج نہ ہوں۔

غالب نے کہا تھا

تنگدستی اگر نہ ہو غالب
تندرستی ہزار نعمت ہے

دوسرا آپ کی ذات یعنی زبان ہاتھ یا رویئے سے کسی کی دل آزاری نہ ہو۔ یہ وقت نیکیاں جمع کرنے کا ہے اس لئے کہ اصل زندگی تو گزار چکے یہ تو آپ کو بونس ملا ہوا ہے۔ بس بلا وا آیا ہی چاہتا ہے گویا

دل کا جانا ٹھہر گیا .....ہے صبح گیا یا شام گیا

(۹) سیر ماضی.....لیکن کس طرح؟

کبھی کبھی کتاب زندگی یعنی ماضی کی ورق گردانی کرلیا کریں، خوشی اور غمی کے امتزاج کو دیکھا کریں، لیکن خوشی کی یاد میں یہ حسرت نہ ہو کہ تب تھی اب نہ رہی کہ زندگی تو دھوپ چھاؤں کا نام ہے۔

• رنج کی یاد میں غم اور پچھتاوا نہ ہو۔ ٹھیک ہے آزمائش آئی، غم اٹھائے لیکن شکر ادا کریں کہ ان غموں سے بہادری کے ساتھ نبرد آزما رہے۔

(۱۰) فرصت کا صحیح استعمال کریں۔

اللہ نے سب مصروف دنوں کے بعد آپ کو فراغت نصیب کی ہے تو اسکا فائدہ اٹھائیں۔ روزانہ تلاوت کریں، ترجمہ ضرور پڑھیں اور اللہ کا شکر ادا کریں جس نے یہ فرصت اور توفیق عطا کی۔ پھر پڑھے ہوئے پر عمل بھی کریں۔ (جاری ہے)

محشرِ خیال

نجمہ یاسمین یوسف ۔ لاہور

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے آپریشن کے بعد بتول کے ''عزمِ نو'' نمبر سے لیکر نومبر دسمبر کے تمام ماہناموں کے مطالعہ کی سعادت سے جسمانی اور روحانی تقویت عطا فرمائی۔ دعا گو ہوں کہ آپ کی اور آپکے معاونین کی ہر کوشش اسی طرح بار آور ہوتی رہے آمین۔ میری اور میرے اہل خانہ کی طرف سے مبارکباد قبول کیجئے۔

اگر چہ کہیں کہیں اختلاف رائے کا موڑ بھی کاٹنا پڑتا ہے جو ایک آزاد صحافت کا مظہر ہے اور ''نظر اپنی اپنی خیال اپنا اپنا'' کے زمرے میں آتا ہے۔ جیسے کہ ماہ دسمبر میں محترمہ کاشفہ حسین کا افسانہ جو بالکل اچھوتا اور نیا انداز لئے ہوئے ہے مگر اس میں گڑیا کا نام حضرت عائشہؓ کے نام نامی پر دل پہ بار گزرا۔ اچھی شناخت کے لئے بہت سے نام ہیں مثلاً مومنہ، صالحہ وغیرہ وغیرہ۔ نیز جو نام انہوں نے کہانی کے کرداروں کو دیئے ان میں سے بیشتر کے معنی ومفہوم کو شش کے باوجود جاننے سے قاصر رہی۔

ابتداء سے انتہا تک قاری کو متوجہ رکھنا بڑی ریاضت کا کام ہے اور ماشاءاللہ آپ کی ریاضت میں دن بہ دن نکھار پیدا ہو رہا ہے۔ فرزانہ چیمہ، قانتہ رابعہ، ڈاکٹر شگفتہ نقوی، ڈاکٹر نزہت اکرام سمیت تمام لکھنے والے قلم کا حق ادا کرتے نظر آتے ہیں شاعر اور شاعرات بھی قابلِ تحسین ہیں شمیم فاطمہ کو اپنے قلم سے بہت زیادہ کام لینا چاہیے بہت توانائی ہے ان کے قلم میں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ہمیشہ خوش رکھے۔

شمیم فاطمہ ۔ کراچی

کچھ نہ کچھ باعثِ تاخیر ہوتا رہا، کچھ قومی حالات اعصاب شکن رہے بتول میں شمولیت ممکن نہ ہوسکی۔ امید ہے مزاج بخیر ہوں گے ویسے ان دنوں کسی کا حال پوچھو تو وہ یوں دیکھتا ہے جیسے کہہ رہا ہو کہ آپ مزاج پوچھتی ہیں؟ جب سارے ملک میں خیر نہیں تو مزاج کیسے بخیر ہو سکتے ہیں ؟ خیر..... کاٹ کھانا تو ہماری عادت ہے، خواہ محاورتاً یا حقیقتاً۔ فی زمانہ اتنی مہنگائی ہے کہ کھانے کے لئے غم کے علاوہ کوئی معقول چیز بچی ہی نہیں پہلے بچے بڑوں کا دماغ کھالیا کرتے تھے لیکن جب سے پیزا اور جنک فوڈ سے رغبت بڑھی، اس طرف سے ہٹ گئی۔ سو اب پینے پر ہی گزارا ہے۔ خون جگر پیجئے..... تو صبر کے گھونٹ پیجئے..... قطرہ قطرہ پیجئے..... موج موج پیجئے..... غم حالات بغیر بات روکے پلائے جا رہی ہے سو پیے جائیے اور جیئے جائیے..... امن وامان، سکون وعافیت کے لئے دعا گو۔

ام عثمان ۔ سیالکوٹ

نومبر کا بتول نظر نواز ہوا۔ جس مضمون نے قلم اٹھانے پر مجبور کر دیا ''قلم، ایک انقلاب آفرین قوت'' طویل مضمون تھا مصروفیت کے باوجود ایک ہی نشست میں بیٹھ کر مکمل کیا تو بے اختیار اس کے اختتام پر منہ سے ''سبحان اللہ'' نکلا۔

''ڈاکٹر بشریٰ تسنیم'' صاحبہ اللہ آپ کو دنیا وآخرت کی تمام تر بھلائیاں عطا فرمائے کیسا پیارا مضمون لکھا ہے آپ نے! ''قول نبیؐ'' میں عظمیٰ پروین کی تحریر بھی بڑی اچھی لگی اور اسے بار بار پڑھا۔ ذرہ وہ احسن کا کالم ''یہ نہ تھی خبر'' پڑھ کر ذرہ وہ احسن بالکل اپنی بہن معلوم ہوئیں۔ بالکل ایسے ہی تو ہمارے ساتھ ہوتا ہے، ہم بھی روزانہ بہت ساری تحریریں سبزیاں، گوشت پکاتے پکاتے ساتھ ہی ہنڈیا میں ڈال کر پکا ڈالتے ہیں۔ ''میری لائبریری سے'' فرزانہ چیمہ کی اچھی پیشکش تھی ''کاکروچ'' میں دردانہ نوشین خان آپ نے کچھ زیادہ ہی سخت لفظ نہیں استعمال کیا کہ اچھے بھلے انسانوں کو ''لال بیگ'' کا لقب دے دیا' کاشفہ حسین'' کا افسانہ ''مجھے پہچان عطا کر'' اپنے اندر بہت گہرا سبق لئے ہوئے ہے جسے کاشفہ نے بڑی خوبصورتی سے قاری کے ذہن میں اتارنے کی کوشش کی ہے۔ فوزیہ بنت محمود اور ربیعہ ندرت کی کاوشیں بھی خوبصورت اور سبق آموز تھیں۔ چند ضروری سوال ہیں اگر ہو سکے تو کوئی بہن ان کا جواب ارسال کر دے

۱۔ بچے کے پیٹ میں اگر بار بار کیڑے ہو جاتے ہوں تو کیا کوئی ایسی دیسی دوائی موجود ہے جو اس مسئلے کو حل کر سکے۔

۲۔ بالکل چھوٹے بچوں کو بار بار سردیوں میں ٹھنڈ لگ جاتی ہے ۔ڈاکٹر بار بار اینٹی بائیوٹک دے دیتے ہیں۔ اگر کسی کے تجربے میں کوئی دیسی دوائی یا ٹوٹکہ ہو تو برائے مہربانی ارسال کرے، بہت ساروں کا بھلا ہوگا۔

☆ ام سمارہ (گوجرہ) حضرت عمرؓ کی وصیت کے لئے کتاب کا حوالہ بھیجئے تاکہ شائع ہو سکے۔

☆ نجمہ ساجد (کراچی) آپ نے بھی حدیث کا حوالہ درج نہیں کیا کیسے چھاپیں؟ ☆☆

کچن کارنر

چکن شاشلک

اجزاء: چکن ایک کلو (بغیر ہڈی کے کیوبز بنالیں) لہسن پسا ہوا، اٹی سپون، ادرک پسی ہوئی ایک چائے کا چمچ، سفید سرکہ ایک کھانے کا چمچ، سویا ساس ایک کھانے کا چمچ، نمک حسب ذائقہ، چینی ایک چائے کا چمچ، تیل دو کھانے کے چمچ، لال مرچ کٹی ہوئی آدھا کھانے کا چمچ، شملہ مرچ ۳ عدد، ٹماٹر ۳ عدد، (چوکور کیوبز میں کاٹ لیں گودا نکال کر ایک پیالے میں ساس بنالیں)، پیاز ۳ عدد (چھیل کر چوکور ٹکڑے کر کے الگ الگ کر لیں)۔

شاشلک کی سوس بنانے کیلئے

ٹماٹر کا بچا ہوا گودا۔ لال مرچ پسی ہوئی ایک چائے کا چمچ، نمک حسب ذائقہ، سویا ساس ایک چائے کا چمچ، سفید سرکہ ایک کھانے کا چمچ، ٹماٹو سوس ۲ کھانے کے چمچ۔

سبزیوں میں ڈالنے کیلئے

سویا ساس ایک کھانے کا چمچ، چینی آدھا چائے کا چمچ، کالی مرچ پسی ہوئی آدھا چائے کا چمچ، تیل ایک کھانے کا چمچ، سفید سرکہ ایک کھانے کا چمچ۔

ترکیب: سب سے پہلے چکن ایک جگہ رکھ کر کسی بھاری چھری کے ساتھ ہلکا ہلکا کچل لیں تاکہ سب ٹکڑے ایک جیسے ہو جائیں۔ پھر ان میں اوپر دی گئی ساری اشیاء اچھی طرح ملا کر آدھے گھنٹے کیلئے رکھ دیں۔ ایک بڑا فرائنگ پین لے کر ہلکا سا تیل ڈال کر بوٹیاں پھیلا کر رکھیں۔ ہلکی آنچ میں دونوں اطراف سے سینک لیں اب دوسرے فرائینگ پین میں ذرا سا تیل ڈال کر سبزیاں ڈال دیں۔ سویا ساس، سرکہ، چینی، نمک اور کالی مرچ ڈال کر جلدی جلدی چمچ چلا کر تین منٹ بعد سبزیاں نکال کر چکن بوٹی میں ڈال دیں۔ اب اسی فرائینگ پین میں ٹماٹر کا گودا، سویا ساس، ٹماٹو ساس، نمک اور لال مرچ ڈال کر ہلکا سا پکا کر ساس بنالیں۔ سارے چاول ابال کر دم کیلئے رکھ دیں۔ چاول ابالنے کیلئے دیگچی میں چاول اگر آدھا کلو ہوں تو کلو پانی ڈالیں، اس میں بڑی الائچی، دار چینی ثابت اور نمک ڈال دیں جب پانی گرم ہو جائے اور رنگ ذرا ہلکا براؤن ہو جائے تب چاول ڈال کر بوائل کریں۔ چاول ابلنے پر ایک الگ کلر اور خوشبو دیں گے۔ شاشلک جب کھانے کے لئے نکالنا ہو تو ایک کڑاہی میں چار کھانے کے چمچ تیل گرم کریں۔ تین جوئے لہسن کے باریک باریک کاٹ کر تیل میں گولڈن براؤن کر لیں۔ ابلے ہوئے چاول ڈال کر جلدی جلدی تل کر نکال لیں۔ ایک ڈش کے درمیان میں چاول رکھیں اس کی سائیڈ میں شاشلک اور اوپر ساس ڈال کر پیش کریں۔

چکن چاومن

چکن بغیر ہڈی آدھا کلو، چکن کیوبز ۶ عدد، سویا ساس ۳ ٹیبل اسپون، سفید سرکہ ۳ ٹیبل اسپون، کارن فلور ایک ٹی اسپون، نمک حسب ذائقہ، ہری پیاز کے پتے ایک پیالی (باریک کٹی ہوئی)، چینی ایک ٹی اسپون، پیاز ایک عدد، بند گوبھی ایک پھول (باریک کٹی ہوئی)، کالی مرچ (پسی ہوئی) ایک ٹی اسپون، شملہ مرچ ۳ عدد، (باریک کٹی ہوئی) ادرک لہسن پیسٹ ایک ٹی اسپون، نوڈلز ایک پیکٹ، تیل ۴ ٹیبل اسپون۔

ترکیب: سب سے پہلے چکن میں ایک چمچ سویا ساس، نمک اور کارن فلور ملا کر آدھے گھنٹے کے لئے رکھ دیں۔ ایک بڑی دیگچی میں خوب ڈھیر سارا پانی گرم کریں جب پانی کھولنے لگے تو نوڈلز ڈال دیں۔ ساتھ ہی ایک چمچ تیل ڈال دیں جب نوڈلز گل جائیں تو چھلنی میں ڈال کر چھان لیں اور فوراً ہی ٹھنڈے پانی سے نوڈلز کو اوپر نیچے کر

کے دھولیں اورایک چائے کا چمچ تیل سے چُپڑ دیں تا کہ نوڈلز آپس میں چپک نہ جائیں ۔ایک بڑی کڑاہی میں تیل گرم کریں پیاز ڈال کر ہلکی گلابی کرلیں ادرک لہسن ڈال کر بھون کر چکن ڈال دیں جب چکن کا پانی خشک ہو جائے تو سبزیاں اور کیو بز ڈال دیں سویا ساس ،سرکہ،نمک ،کالی مرچ ،میدہ اور چینی ڈال کر ۵ منٹ تک بھون لیں پھر نوڈلز ڈال کر مکس کریں اور ہری پیاز کے پتے ڈال دیں لیجئے چکن چاومن تیار ہے گرم گرم کھانے کے لئے پیش کریں۔

(شازیہ مشتاق)

گوبھی کے کٹلس

اشیاء: پھول گوبھی ۴۰۰ گرام،تیل تلنے کے لئے (حسب ضرورت) پیاز (باریک کٹی ہوئی) ایک عدد درمیانی، دھنیا زیرہ (کُٹا ہوا) ۲ چائے کے چمچ،سرخ مرچ ایک چائے کا چمچ، ہرا دھنیا (کٹا ہوا) ۲ کھانے کے چمچ ،آلو (اُبلے ہوئے) دو عدد درمیانے ،رائی ۱/۳ چائے کا چمچ،آٹا ۵۰ گرام، ہری مرچ کٹی ہوئی حسبِ پسند،انڈہ (پھینٹا ہوا تلنے کے لئے) ایک عدد۔

ترکیب: سالم پھول گوبھی کو کھلے پانی میں دس منٹ تک اُبالیں پھر پانی سے نکال کر جالی دار ٹوکری میں رکھ دیں زائد پانی نکل جائے تو ٹھنڈا ہونے پر دو اُبلے ہوئے آلوؤں اور اس گوبھی کو ہاتھ سے مل کر یک جان کرلیں.....

اب ایک کڑاہی میں ۲ چمچ کوکنگ آئل ڈال کر گرم کریں اور اس میں بقیہ سارے اجزاء ڈال کر اسے اتنا بھونیں کہ مصالحہ خوشبو دینے لگے اور پیاز براؤن ہو جائیں اب اس میں گوبھی اور آلوؤں کا میدہ ڈالیں اور خوب مِکس کرلیں ۔ یک جان ہونے لگے تو اس میں آٹا شامل کریں اور مزید بھونیں۔ پھر اس مکسچر کو ٹھنڈا ہونے دیں۔ بعدازاں کباب بناتی جائیں اور انڈہ لگا کر ہلکا سنہرا کر کے تلتی جائیں ۔املی کی چٹنی یا ٹماٹو کیچپ کے ساتھ پیش کریں یہ بے حد مزیدار اور انوکھے کباب ہونگے۔

میٹھی ٹکیاں

اشیاء: سوجی ایک کپ،میدہ ایک کپ،گھی ۳ کھانے کے چمچ، چینی ایک تہائی کپ ،ناریل (پسا ہوا) آدھا کپ ، میٹھا سوڈا ایک چائے کا چمچ،گھی تلنے کے لئے۔

ترکیب: سوجی ،میدہ،چینی، پسا ہوا ناریل ،۳ عدد کھانے کے چمچ گھی اور میٹھا سوڈا مکس کرلیں ۔اس میں اتنا پانی ڈالیں کہ آٹے کی طرح سخت گوندھا جائے ۔اس کو آدھے گھنٹے کے لئے رکھ دیں ۔ پھر اسکے چھوٹے چھوٹے پیڑے بنالیں اور ان کی ٹکیاں بنالیں ۔ یہ ٹکیاں قدرے موٹی ہوں ۔ اب کڑاہی میں گھی گرم کریں اور ٹکیاں ڈال دیں۔گولڈن براؤن ہونے پر نکال کر ٹشو پیپر میں رکھ لیں ۔مزیدار ٹکیاں تیار ہیں۔

(عنزہ بلوچ)

شلجم کوئی عام سبزی نہیں

شلجم جسے شلغم کے نام سے بھی پکارا جاتا ہے، اپنے منفرد ذائقے کی وجہ سے سبزیوں میں نمایاں حیثیت کا حامل ہے جسے برصغیر میں پتوں کے ساتھ یا اسکے بغیر بڑے ذوق وشوق سے پکایا اور کھایا جاتا ہے لیکن بہت کم لوگ اس کی غذائی اہمیت سے واقف ہوں گے۔ اسکے پتوں میں ''بیٹا کیروٹین'' نامی جز کئی طرح کے سرطانوں کے خلاف مدافعت کرتا ہے جبکہ جسم کو درکار وٹامن اے اور سی کی کمی بھی پوری ہوسکتی ہے۔ شلجم جو کہ زمین کے اندر اُگنے کے باعث جڑ گردانا جاتا ہے۔ اپنے اندر ایک اہم جز غذائی ریشے کا بھی حامل ہے اور اس کی بہت معمولی سی مقدار بھی آنتوں اور قلب کی شریانوں میں پیدا ہونے والی بیماریوں کے خلاف ڈھال بن سکتی ہے۔ شلجم کا ایک اپنا منفرد ذائقہ شوربے میں رچ بس جاتا ہے جس کے سبب یہ کسی بھی کھانے میں ایک منفرد لذت پیدا کر دیتا ہے۔ اگر آپ شلجم کھانے کا شوق رکھتے ہیں اور اسکے پتوں کو نظر انداز کر دیتے ہیں تو اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ کئی اہم غذائی اجزاء سے آپ نے منہ موڑ لیا ہے۔ صحت کے نکتہ نظر سے جتنا مفید شلجم ہے، اس سے کہیں زیادہ فوائد اسکے پتوں میں مضمر ہیں۔

اس مضمون میں آپ کو شلجم سے تیار کردہ کئی تراکیب ملیں گی جن میں اسے پتوں کے ساتھ یا ان کے بغیر اس طرح پکایا گیا ہے کہ ہر ڈش منفرد اور مختلف مزہ دے گی۔

منفرد شب دیگ

اجزا: گوشت ایک کلو شلجم ایک کلو (پتوں کے بغیر) ادرک ایک انچ کا ٹکڑا، دہی ایک پاؤ، سرخ مرچ ۲ کھانے کے چمچ، نمک حسبِ ذائقہ، بالائی ۳ کھانے کے چمچ، چھوٹی الائچی ۴۔۳ عدد، جاوتری تھوڑی سی، دارچینی ۳ ٹکڑے، بادام ۱/۴ پیالی، آئل حسبِ ضرورت، کالی مرچ ثابت ایک کھانے کا چمچ۔

ترکیب: شلجم چھیل کر آٹھ آٹھ ٹکڑے کر لیں۔ آئل میں پیاز فرائی کریں اور اسے ہاتھوں سے باریک مسل کر دہی میں شامل شامل کر لیں۔ تمام گرم مصالحہ پوٹلی میں باندھ کر ذرا سا کُوٹ لیں۔ گوشت تیل میں بگھار کر اس میں پیاز ملا ہوا دہی، کچلی ہوئی ادرک، نمک اور پسی لال مرچ شامل کر کے اچھی طرح بھون لیں۔ پھر اس میں گرم مصالے کی پوٹلی، پسے ہوئے بادام شلجم اور بالائی ڈال کر پانی ڈال کر اتنا شوربہ بنالیں کہ ہلکی آنچ پر دو گھنٹے پکنے کے دوران پانی خشک اور کم نہ ہو۔ اچھی طرح ڈھانپ کر پکائیں۔ تیار ہونے پر اوپر سے سبز مرچ اور سبز دھنیا چھڑک کر پیش کریں۔

شلجم کا بھرتہ

اجزا: شلجم ایک کلو، ٹماٹر ایک پاؤ، پیاز ۳ عدد پسی لال مرچ ایک چائے کا چمچ، ہری مرچیں ۱۰ عدد، ہرا دھنیا آدھی گٹھی، نمک حسبِ ذائقہ، آئل آدھا کپ، چینی ایک چائے کا چمچ۔

ترکیب: شلجم چھیل کر اُبال لیں اور اچھی طرح میش کر لیں۔ دیگچی میں گھی گرم کر کے پیاز بھون لیں مگر سنہری نہ ہونے دیں۔ باریک کٹے ہوئے ٹماٹر اور ساتھ میش کئے ہوئے شلجم بھی ڈال کر ہلکی آنچ پر پانی خشک ہونے دیں۔ اسی دوران سرخ مرچ، نمک اور پیس کر ہری مرچیں بھرتے میں شامل کر دیں۔ جب گھی نکل آئے تو چینی ڈال دیں اور مکس کر لیں۔ پھر ہرا دھنیا چھڑک کر پیش کریں۔

شلجم کے کباب

اجزا: شلجم ایک کلو، چنے کی دال ایک کپ ، ثابت لال مرچ ۱۰۔۸عدد، ادرک ۲ انچ کا ٹکڑا، لہسن ٦ جوئے ، کالی مرچ ایک چائے کا چمچ ، نمک حسبِ ذائقہ، انڈے ۲ عدد، ڈبل روٹی کا چورا ایک پیالی ہرا دھنیا گڈی، پودینہ آدھی گڈی ، ہری مرچ باریک کٹی ہوئی ۴ عدد، پیاز درمیانی ایک عدد باریک کٹی ہوئی، آئل حسبِ ضرورت۔

ترکیب: شلجم چھیل کر اُبال لیں اور میش کر کے کسی چھلنی میں ڈال کر رکھ دیں تا کہ اسکا سارا پانی نکل جائے چنے کی دال میں لہسن ، ادرک ایک انچ کا ٹکڑا ، کالی مرچ ، ثابت لال مرچ، ثابت دھنیا اورنمک ڈال کر اُبال لیں۔ دال گل جانے پر اسے ٹھنڈا کر کے پیس لیں ۔پسی ہوئی دال کو شلجم میں ملا کر ایک انڈا، باقی ادرک ، ہرا دھنیا، پودینہ، پیاز ہری مرچ شامل کر کے اچھی طرح گوندھ کر کباب بنا لیں ۔انڈہ پھینٹ لیں ۔اس میں کباب ڈبو کر ڈبل روٹی کا چورا لگا کر فرائی کریں۔

شلجم کا اچار

اجزا: شلجم ایک کلو، گاجر ایک پاؤ، پسی ہوئی رائی ۲ کھانے کے چمچ ، کٹی ہوئی سرخ مرچ ۲ کھانے کے چمچ ،نمک حسب ذائقہ، پسا ہوا لہسن ۲ کھانے کے چمچ ۔

ترکیب: شلجم اور گاجر چھیل کر لمبے ٹکڑوں میں کاٹ لیں اور دو لیٹر پانی میں اچھی طرح اُبال کر گلا لیں ۔ دونوں چیزیں گل جانے پر پتیلی چولہے سے اُتار کر ایک طرف رکھ دیں اور پانی نکال دیں ۔ ٹھنڈا ہونے پر اس میں پسا ہوا لہسن ، رائی ، سرخ مرچ اور نمک ڈال کر اچھی طرح ہلا کر اچار کے مرتبان میں ڈال کر ڈھانپ کر رکھ دیں۔ ایک ہفتے بعد کھولنے پر مزیدار اچار تیار ہو گا جس میں نمک مرچ کی کمی بیشی بعد میں بھی پوری کی جاسکتی ہے۔